صحابہ اور اہلبیت رضی اللہ عنہم کے درمیان

یگانگت اور محبتیں

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

مولانا عبد الجبّار سلفی

اصحابِ رسولؐ اور اہل بیت کرامؓ

کے درمیان محبت و یگانگت

کتاب ....صحابہؓ اور اہلبیتؓ میں یگانگت اور محبتیں

مؤلف .... ابو مسعود عبدالجبار سلفی ایم اے

طبع دوم...جنوری ۲۰۰۷ء

ناشر.......................................اسلامک ایجوکیشن انسٹیٹیوٹ دیپال پور

زیر اہتمام.......................................مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

کمپوزنگ ....سمیع الرحمٰن، اختر حسین نقوی ماہنامہ 'محدث' لاہور

مطبع .... اُحد پرنٹنگ پریس

اندرونی ٹائٹل

فہرست موضوعات

باب سوم اہل السنہ کی نظر میں آلِ رسولؐ کا مقام اوراُنکے فضائل

باب چہارم — اُمتِ مسلمہ پر آلِ رسول ﷺ کے حقوق

باب پنجم — صحابہ کرامؓ سے محبت جزوِایمان ہے!

فرمان خداوندی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الفتح:۲۹)

’’محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں
وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں
تو انہیں رکوع اور سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، وہ
اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔‘‘

پیش لفظ

اَھلِ سُنّت اور اھلِ تَشیُّع کے درمیان عقائد و اعمال کا اختلاف یقیناً دونوں فرقوں کے درمیان بعد کا سبب ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بعض تاریخی واقعات ایسے ہیں جو بے بنیاد ہیں لیکن اُنہیں پروپیگنڈے کے ذریعے سے عام کردیا گیا ہے جس سے بعد و بے گانگی کی خلیج مزید وسیع ہوئی ہے، نفرت کی دیواریں مزید مستحکم ہوئی ہیں اور دِلوں کے انقباض میں اضافہ ہوا ہے۔

پروپیگنڈے کی ان دبیز تہوں کو البتہ صاف کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہئے، یہ یقیناً ایک دینی خدمت بھی ہے، وقت کی ضرورت بھی اور حالات کا تقاضا بھی!

ان میں ایک پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اہل سنت، اہل بیتؓ کی عظمت و فضیلت کو نہیں مانتے اور ان کے اندر ناصبیت پائی جاتی ہے یعنی وہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما وغیرہما کا قرارِ واقعی احترام نہیں کرتے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ ایک ناروا الزام ہے، بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے اور حقائق کے یکسر خلاف ہے!!

زیر نظر کتابچہ اسی بے بنیاد پروپیگنڈے کی وضاحت کے لئے لکھا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے پہلے اس امر کو واضح کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے درمیان خوشگوار تعلقات تھے اور اس کے اُنہوں نے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے ہیں۔

یہی روایت اہل سنت میں مسلسل چلی آرہی ہے کہ وہ صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت

رضی اللہ عنہم سب کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، بلکہ ان کی عظمت و محبت ان کے عقیدہ وایمان کا حصہ ہے۔

اس کتابچہ میں اہل بیت کے مفہوم کو بھی واضح کیا گیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تمام اہل بیت کو پورے طور پر ماننے والے بھی صرف اہل سنت ہی ہیں۔ ورنہ شیعہ حضرات تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت میں شامل ہی نہیں کرتے، حالانکہ خود قرآن کریم نے اُنہیں اہل بیت قرار دیا ہے۔اہل سنت دونوں کو اہل بیت تسلیم کرتے ہیں اور دونوں کو یکساں قدر واحترام کا مستحق سمجھتے ہیں!!

اِسی طرح ناصبیت کیا ہے؟ اور اہلسنّت کو ناصبی قرار دینا کہاں تک صحیح ہے؟ فاضل مؤلف نے اس نکتے پر بھی مدلل گفتگو کی ہے اور بتلایا ہے کہ اہل سنت دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح، حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل بیت عظام کی بھی عزت کرتے ہیں اور وہ ان میں سے کسی کی بھی تنقیص وتوہین کو جائز نہیں سمجھتے، اس لئے ناصبیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف حفظہ اللہ کی اس کاوش کوقبول فرمائے اور اسے غلط فہمیوں کے ازالے اور دونوں فرقوں کے درمیان قربت وہم آہنگی کا ذریعہ بنائے۔ضرورت ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ شکوک وشبہات دُور ہوں اور حقیقت تک رسائی آسان ہو۔

حافظ صلاح الدین یوسف

جولائی ۲۰۰۵ء

باب اوّل

آلِ رسول ﷺ اور اصحابِؓ رسول کے فضائل اور ان کی باہمی محبت

الحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ أفضل الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه الطيّبين الطاهرين وعلىٰ من تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين وبعد

خانوادۂ رسالتؐ کے فضائل

قارئین کرام !اس حقیقت پر تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ اولادِ آدم کے سردار اور تمام کائنات سے افضل انسان ہیں اور یہ اتفاق اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔

اگرچہ ملا مجلسی نے بحار الانوار (ج۲رص۸۲) پر باب أن الأئمة أعلم من الأنبياء لکھ کر کسی پہلو سے ائمہ اہل بیت کو انبیا سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جمہور ائمہ دین نے اس کوشش کو مسترد کر دیا ہے یا اس کی تاویل کر دی ہے اور شاید اہل تشیع کو بھی اس کوشش سے اتفاق نہ ہو، کیونکہ حضرت رسولِ کریم ﷺ کے مقام ومرتبہ کی درخشانی اور آپ کی شان وشوکت کی تابانی اور آپؐ کا مقامِ محمود پر فائز ہونا اور

شفاعت کبریٰ اور حوضِ کوثر کا والی ہونا، ایسے ایسے حقائق ہیں کہ کوئی مسلمان ان کی حقانیت پر ذرّہ برابر شبہ نہیں کرسکتا اور جس طرح آپؐ اپنی ذات کے اعتبار سے افضل ہیں، اس طرح آپ کا خاندان بھی تمام خاندانوں سے افضل و اعلیٰ ہے اور جس طرح آپؐ کا خاندان سب خاندانوں سے اعلیٰ و افضل ہے، اس طرح آپ کا گھرانہ بھی تمام گھرانوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كَنَانَةَ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كَنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِىْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ»

''بے شک اللہ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے اولاد ہاشم کو چن لیا اور مجھے اولاد ہاشم سے چن لیا۔'' (رقم: ۶۰۷۷)

چنانچہ آپؐ کا خاندان صدق وصفا، جود وسخا، بذل و عطا، سیادت و قیادت اور فہم وفراست جیسے اوصافِ حسنہ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھا۔ اس خاندان کے اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے قبائل عرب اس کا احترام کرتے تھے اور اس خاندان میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، وہ سیادت وقیادت اور کشور کشائی کے مرتبے پر بھی فائز ہوگئے اور انہوں نے خداداد صلاحیت سے اپنی قابلیت کا لوہا منوا لیا۔ اس خاندان کے افراد شرافت ونجابت، فہم وفراست، سیادت وقیادت میں ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔

اس حقیقت کا اعتراف امیر المؤمنین امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اُموی قریشی کی زبانی سنیے:

''ان سے پوچھا گیا کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم میں شریف کون تھا؟ انہوں نے فرمایا: کہ ہم میں اشراف زیادہ تھے اور ان میں شریف زیادہ تھے۔ ان میں ایک بزرگ ہاشم تھے

جس کے برابر (ہمارے جد امجد) عبد مناف بن قصی کی اولاد میں سے کوئی بھی نہ تھا، جب وہ فوت ہو گئے تو تعداد کے اعتبار سے ہم میں اشراف زیادہ ہو گئے، لیکن ہم میں سے کوئی شخص عبدالمطلب بن ہاشم کے برابر نہ تھا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ہم تعداد اور اشراف کے اعتبار سے زیادہ ہو گئے، لیکن ان میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون اور سرور تھا (اور ہم میں بلکہ پوری دنیا میں اس جیسا انسان پیدا ہی نہیں ہوا) اسی بنا پر انہوں نے کہا کہ ہم میں نبی پیدا ہوا ہے اور حقیقت یہ ہے اولین وآخرین میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی اب بتاؤ کہ یہ شرف کن کو نصیب ہوا؟! (ظاہر ہے کہ بنو ہاشم کو نصیب ہوا)''[1]

سبحان اللہ! آپؓ نے کتنے کھلے دل کے ساتھ اپنے عم زاد ہاشمیوں کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ بہر حال آپ کے گھرانے میں سے جن لوگوں نے اسلام اور ایمان قبول کرلیا اسے نسبی شرافت کے ساتھ شرفِ صحابیت بھی حاصل ہو گیا اور شرفِ صحابیت بذاتِ خود ایک ایسا شرف ہے کہ اس کے برابر اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں شرف صحابیت سے مشرف ہونے والوں کو اپنا لشکر قرار دیا ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُوْلَـٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلَـٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلہ:۲۲)

''یہ وہ (اصحابِ رسولﷺ) ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے (پتھر پر لکیر کی طرح) ایمان لکھ دیا ہے اور نصرتِ غیبی سے ان کی تائید فرمائی اور وہ انہیں ایسے باغات میں

---

① امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ مؤلفہ منیر احمد الغضبان

داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ وہ اللہ کا لشکر ہیں اور سن لو اللہ کا لشکر ہی کامران ہونے والا ہے۔''

غور فرمائیں کہ جن خوش نصیبوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان کا ثمر بار پودا گاڑ دیا ہو اور اپنے غیبی خزانوں سے اس کی آب یاری کی ہو اور کلمة التقویٰ سے اسے غذا فراہم کی ہو اور اُنہوں نے جنگِ بدر و اُحد اور غزوۂ موتہ و تبوک میں ایمانی جذبات کا مظاہرہ بھی کیا ہو، بھلا بعد والوں میں کوئی شخص ان کے برابر ہوسکتا ہے؟!

حضرت امام عبداللہ بن مبارک مروزیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ افضل ہیں یا حضرت امیر معاویہؓ تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! حضرت امیر معاویہؓ کے اس گھوڑے کی ناک کا غبار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عمل سے بہتر ہے جس پر اس نے سوار ہوکر حضرت رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا تھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''لَا یُقَاسُ أَحَدٌ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ'' یعنی ''کسی امتی کو حضرت محمد ﷺ کے صحابہؓ کے برابر تولہ نہیں جاسکتا۔'' (کتاب الشریعة از امام آجری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

''لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً (یعني مع النبي ﷺ) خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ أَحَدِکُمْ عُمْرَہٗ'' (شرح عقیدہ طحاویہ: ص۵۳۲)

''اصحابِ محمد ﷺ کو برا نہ کہو۔ ان کا حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک گھڑی ٹھہرنا، تمہاری ساری زندگی کی عبادت سے بہتر ہے۔''

پانچویں صدی ہجری کے نامور فقیہ و متکلم اور مایہ ناز مورخ و محقق امام ابو محمد علی بن احمد

بن حزم اندلسیؒ،جن کے بارے میں شیخ اکبر ابن عربی حاتمی طائی کو خواب آیا تھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ ان سے بغل گیر ہوئے تو وہ آپ ﷺ کے بدن میں سما گئے۔

اپنی گراں قدر تالیف الإحکام في أصول الأحکام:۸۹/۵میں فرماتے ہیں:

''صحابی رسولؐ وہ ہوتا ہے جو حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھنے کی سعادت حاصل کر چکا ہو، اگرچہ ایک گھڑی ہی سہی اور وہ آپ کا فرمان مبارک سن سکا ہو، اگرچہ ایک جملہ ہی سہی یا اس نے شعور کی حالت میں آپ کے کسی کام کا مشاہدہ کرلیا ہواور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کا نفاق،پیہم مشہور ہے اور وہ نفاق کی حالت میں ہی مرے تھے۔''

چنانچہ صحابہ کرامؓ سب کے سب بلند اخلاق، با کمال اور پسندیدہ انسان تھے اور ہم پر ان سب کی تکریم و تعظیم کرنا واجب ہے اور ہم پر ان کے لیے استغفار کرنا اور ان سب سے محبت کرنا فرض ہے۔ان کی صدقہ کی ہوئی ایک کھجور کا ثواب، ہماری صدقہ کی ہوئی ساری دولت کے ثواب سے کہیں زیادہ ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس ان کا ایک گھڑی بھر بیٹھنا ، ہماری ساری زندگی کی عبادت الٰہی سے افضل ہے، اگر ہم میں سے کوئی انسان، اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے میں اپنی ساری زندگی بھی صرف کر دے تو اس کی یہ اطاعت،صحابیؓ رسول کے گھڑی بھر کے عمل کے برابر نہیں ہوسکتی۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو میرے لیے چھوڑ دو اگر تم میں سے کسی کی ملکیت میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے فی سبیل اللہ صدقہ کر دے تو وہ پھر بھی ان کی فی سبیل اللہ صدقہ کردہ لپ بھر جَو کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتا۔(جب انہیں اس قدر رفعت شان حاصل

ہے) تو کوئی ہوش مند انسان کسی صحابی کی گرد پا تک پہنچنے کا تصور کس طرح کر سکتا ہے ؟ کیونکہ کسی آدمی کے پاس اُحد پہاڑ کی مقدار برابر سونے کا ہونا ناممکن اور پھر اس کا اسے خرچ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔''

چنانچہ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اَصحابؓ رسولؐ بھی ہیں اور خانوادہ رسولؐ بھی ہیں۔ خانوادۂ رسولؐ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مرتبہ و مقام ہے۔ خلیفہ رسولؐ سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جب عمِ رسولؐ سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب ہاشمی کو دیکھتے تو احتراماً اپنی سواریوں سے نیچے اُتر پڑتے تھے، بلکہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے دورِ خلافت میں سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب سے بارش کی دعا کی درخواست کرتے تھے اور اُن کی دعا قبول بھی ہوتی تھی۔ جب آپؓ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرامؓ کے عطیات مقرر کئے تو اپنے سیکرٹری سے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت رسول کریم ﷺ کے خاندان کے افراد کے نام لکھو اور ان میں آپ کی بیویوں کے بعد بنی عبد مناف کے نام لکھو اور ان میں سے پہلے حضرت علیؓ اور پھر حسنؓ و حسینؓ کے نام لکھو۔

چنانچہ آپؓ نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے لئے پانچ ہزار (۵۰۰۰)، سیدنا حسنؓ کے لئے چار ہزار (۴۰۰۰) اور سیدنا حسینؓ کے لئے تین ہزار (۳۰۰۰) دینار مقرر کئے۔ آپ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی کو کم سنی کے باوجود کبار صحابہ کرامؓ کی مجلس میں جگہ دیا کرتے تھے اور ان کے علم و فضل سے مستفید ہوا کرتے تھے۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، سبطِ رسولؐ سیدنا حسن بن علیؓ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ان سے خوش طبعی کرتے اور فرماتے:

"بِأَبِي، شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ، غَيْرُ شَبِيهٍ بِعَلِيٍّ" (ج۲ص۱۱۷)

''میرا باپ فدا ہو، یہ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہے، حضرت علی کے مشابہ نہیں ہیں۔''

چنانچہ سیدہ فاطمہؓ بنتِ رسولؐ بھی انہی الفاظ سے اپنے پھول حسنؓ بن علیؓ کو لوری دیا کرتی تھیں اور جب آپ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی حضرت اسما بنت عمیس ہی آپؓ کی تیمارداری کرتی رہیں حتیٰ کہ انہوں نے ہی سیدہ فاطمہؓ کو غسل دیا اور آپ کے جنازے کے ساتھ گئیں اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ فوت ہوئے تو سیدنا علی مرتضیٰؓ نے آپ کی اسی بیوہ سے شادی کی اور ان کے بیٹے محمد بن ابی بکر صدیق کی کفالت کی اور اسے مصر کا گورنر مقرر کیا اور بعد ازاں صدیقی گھرانے کی لختِ جگر اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ کا نکاح ہاشمی گھرانے کے نورِ چشم سیدنا محمد بن علیؒ بن حسینؓ سے ہوا۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب النبی رضوان اللہ علیہم أجمعین اہل بیتؓ کی عظمت کے پیشِ نظر، دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے اور ان کا حق پہچانتے تھے اور ان سے تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔

لہٰذا متاخرین اور آخرین مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بھی متقدمین کی طرح اہل بیتؓ کا احترام کریں اور برصغیر کے مصنوعی سادات کی بداعمالیوں کو اصلی سادات کے استخفاف کا ذریعہ نہ بنائیں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ حقیقی ساداتِ کرام واقعی اشراف، صبر منداور عزت دار اور طہارتِ قلبی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ وہ اُمت میں

فساد نہیں ڈالتے بلکہ اسے پُر امن رکھنے کی تگ و دو کرتے ہیں۔

محترم قارئین کرام! جب یہ بات ثابت ہے کہ اہل بیت اور صحابہ کرامؓ رحماء بینھم تھے تو پھر ان کی محبت کے پردے میں آج کل اتنا بڑا فساد کیوں ہو رہا ہے اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کیوں کٹ رہے ہیں اور عبادت خانوں اور جلسہ گاہوں میں بے گناہ شیعہ سنی کیوں مارے جا رہے ہیں؟ اس بات پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اصل خرابی اور بیماری کا پتہ لگے اور اس کا علاج کیا جا سکے۔ ہم ان شاء اللہ اپنے اس کتابچے میں اسی چیز کا پتہ لگائیں گے اور اس کے لیے شافی نسخہ بھی بتائیں گے، کیونکہ اُمت میں افتراق وانتشار کے طاعون کی وجوہات تلاش کرنا اور اس کا علاج کرنا شرعی فریضہ ہے۔

برادرانِ ملت! ہمیں ایسے محققین اور مصنّفین پر تعجب آتا ہے جو یہودیت زدہ مؤرخین کی من گھڑت اور بے سروپا روایات پر اعتماد کر کے اُمت میں افتراق کو فروغ دے رہے ہیں اور ان میں سے بعض مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ علمی حقائق تک رسائی حاصل کر چکے ہیں حالانکہ جس چیز پر انہوں نے اعتماد کیا ہے، اس کی علمی بنیاد، سرے سے موجود ہی نہیں، لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں جبکہ ان کے اس 'نیک کام' کا نتیجہ سوائے افتراق واختلاف کے اور کچھ نہیں ہے اور جب ہم ان سے ان کے سعی وعمل کے نتیجے کے متعلق پوچھیں گے تو ان کی طرف سے اچھے خیالات رکھنے والا صرف یہی جواب دے گا کہ فقط علم اور معلومات کے لئے اور بس۔ حالانکہ اگر ان معلومات کی کوئی بنیاد ہوتی بھی تو پھر بھی فتنے کے خوف کے پیش نظر انہیں دفن ہی رہنے دینا چاہئے تھا۔

چنانچہ ہم اس قسم کے محققین اور تاریخ نگاروں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ خدارا اُمتِ محمدیہ پر ترس کھائیں اور ان تاریخی مسائل اور مشاجرات کو اُچھالنے سے گریز کریں جن کے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور وہ زخم خوردہ اُمتِ محمدیہ کو خاک وخون میں تڑپا دیتے ہیں اور ان کی بجائے اُن حقائق کو بیان کریں جو امت کو آپس میں جوڑ دیں تاکہ وہ کفار کے سامنے بنیانِ مرصوص بن کر کھڑی ہوسکے۔

ہم بفضل اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے وہ حقائق بیان کریں گے جو اُمتِ محمدیہ کو باہم مل بیٹھنے اور سابقہ غلطیوں کی تلافی کرنے پر مجبور کردیں گے۔ ان شاء اللہ!

رسولِ کریم ﷺ کی اوّلین ذمہ داری؛ تزکیۂ نفوس

حضرت رسولِ کریم ﷺ کا فرضِ منصبی یہ تھا کہ وہ لوگوں کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور ان کا تزکیۂ نفوس کریں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس فریضے کو ان کلمات میں بیان کیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الجمعہ:۲)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں رسول بھیجا جو انہیں میں سے ہے، وہ ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کے دلوں کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے قبل وہ صریح گمراہی میں تھے۔''

چنانچہ اس بات میں ذرّہ برابر شک کی گنجائش نہیں کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے اس فریضے کو بہترین طریقے سے سرانجام دیا اور اس کے نتیجے میں آپ کے صحابہ کرامؓ

تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، شرافت وصداقت، شجاعت وبسالت، رافت ورحمت، فہم وفراست کا مجسمہ بن گئے تھے۔

ان کی عظمتِ شان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین اُمت قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۱۰) ''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے۔'' اور انہی ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے کسوٹی اور ماڈل بنایا اور انہیں اُمتِ وسط قرار دیا۔

قرآن میں ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط (معتدل) بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر گواہ بن جائے۔''

ان پاک باز ہستیوں کی شان کریم میں اتنی آیات موجود ہیں کہ اگر ان کا مکمل تذکرہ کیا جائے تو یہ مضمون طویل ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص تفصیل میں جانا چاہے تو شیخ صالح بن عبداللہ درویش سیشن جج قطیف سعودی عرب کے مقالے صحبة الرسول کا مطالعہ کرے یا پھر أعلام الموقعین کی طرف رجوع کرے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ ان ہستیوں کے نفوس کا تزکیہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے کیا اور حق ادا کر دیا۔

برادرانِ ملت! ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ ان قدسی نفوس کو کس نے متقون، صادقون کا خطاب عطا کیا اور أشداء علیٰ الکفار رحماء بینهم کی صفات سے موصوف کیا؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ نے ہی اُنہیں یہ خطاب عطا کیا اور ان صفات سے موصوف کیا ہے تو پھر ہمیں کیا پڑی کہ ہم ضعیف اور کذاب راویوں کی جھوٹی روایات کے ذریعے ان کی کردار کشی کریں اور مسلمان بھائیوں کی دل آزاری کا سامان پیدا کریں۔

اصحابِؓ رسولؐ کا وصفِ جمیل؛ان کا آپس میں محبت کرنا

برادرانِ ملت! دُنیا جانتی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ دُنیا کے منفرد انسان تھے اور انہیں وہ امتیازات اور خوبیاں حاصل تھیں جو دوسرے گروہوں کو حاصل ہونی محال ہیں، کیونکہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے اپنے زیر سایہ ان کی تربیت کی اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی اور پرآشوب حالات میں ان کے صدقِ ایمان کا امتحان لیا تو وہ کامیاب اور کامران ثابت ہوئے۔ انہوں نے آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والوں کی آنکھیں پھوڑ دیں اور قتل کی غرض سے آنے والوں کی کلائیاں کاٹ دیں اور اس سلسلے میں اپنے اور پرائے کا فرق نہ کیا۔ کیا حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے کافر باپ کو جنگِ بدر میں جہنم رسید نہ کیا تھا؟! اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے کافر ماموں کا سر نہیں کاٹا تھا؟! اور حضرت ابوحذیفہؓ اپنے کافر باپ عتبہ بن ربیعہ کے مقابلے نہ آئے تھے؟! یہ لوگ کفار کے مقابلے میں جس قدر سخت تھے، آپس میں اتنے ہی رحمدل اور مہربان تھے۔ چنانچہ اس مقالے میں ہم ان کے اس مرغوب وصف کا تذکرہ کریں گے کیونکہ اس میں بہت سے حقائق پوشیدہ ہیں۔

یہ وصف اس لائق ہے کہ اس کی تشریح وتفسیر بیان کی جائے اور اسے لوگوں میں متعارف کرایا جائے تاکہ وہ اس سے آگاہی حاصل کر کے قصہ گو واعظین اور ذاکرین

کی زہریلی تقریروں کے اثرات سے محفوظ رہیں اور اہل بیت وصحابہ کے ساتھ اپنا رشتہ ایمان مضبوط رکھیں۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ وصف کون سا ہے؟

وہ ہے...... رحمـــاء بینهم !

چنانچہ غور فرمائیے کہ رحمٰن اور رحیم، اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور اس نے قرآنِ کریم میں بیشتر مقامات پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ہر سورۃ کی ابتدا میں ہے: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اورسورۂ فاتحہ میں ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور سورۂ بقرہ میں ہے﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ سورہ حم سجدہ میں ہے:﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اوراللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کا تذکرہ بھی انہی اوصاف سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ کے آخر میں ہے: ﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُم عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (۱۲۸)

المختصر اس صفت کے متعلق بیان شدہ آیات و احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے اختصار کے پیش نظر انہیں پر اکتفا کرتے ہوئے مزید دو احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

◉ امام ابوداود اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ (رقم:۴۹۴۱)

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن، رحمت کرتا ہے۔''

◉ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ» (بخاری:۶۰۱۳،مسلم۲۳۱۹)

''جو رحم نہ کرے، اس پر رحم نہیں کیا جاتا''

ہمیں اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا وصف بھی اسی مادے سے مشتق رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا...الخ﴾ (الفتح:۲۹)

''محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں رکوع اور سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔''

اس صریح نص کے مقابلے میں ان روایات اور قصوں، کہانیوں کی کیا حیثیت ہے جنہیں کذاب راویوں نے روایت کیا ہے اور وہ ہمارے سامنے ان کی تصویر یوں پیش کرتی ہیں کہ وہ آپس میں نفور اور نامانوس تھے اور ان کے درمیان شدید عداوت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپس میں رحم دل تھے اور صفتِ رحمت ان کے دلوں میں جاگزیں تھی، اگر زندگی کے کسی موڑ پر وہ مسلم نما یہودیوں کی سازشوں کے جال میں پھنسے بھی تھے تو اللہ نے انہیں اس جال سے نکال لیا تھا اور وہ باہم شیر وشکر ہو گئے تھے۔

ہمیں یہ زیبا نہیں کہ ہم ان کی عارضی اور وقتی شکر رنجی کو بنیاد بنا کر صریح نص قرآنی کو بھول جائیں اور ان کی بشری اور وقتی کمزوریوں کو اُچھالنا شروع کر دیں اور ان کی عمر بھر کی محبت ویگانگت اتحاد واتفاق سے آنکھیں موند لیں بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم حکم الٰہی

کے موافق ان کے لئے دعا کریں اور ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ خبر دی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر:۱۰)

''وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے متعلق کینہ وکدورت پیدا نہ کر جو ایمان لے آئے۔ اے ہمارے ربّ! تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

قارئین کرام! ہمارے اکثر مؤرخین نے تاریخ لکھتے وقت اسانید پر توجہ نہیں دی اور جن مؤرخین نے اسانید کا اہتمام کیا ہے، اُنہوں نے تاریخی متون کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور حاسدینِ اسلام کی پھیلائی ہوئی جھوٹی داستانوں کو اپنی کتابوں میں داخل کر کے اپنی کتابوں کا حجم بڑھا لیا۔ نتیجتاً سطحی سوچ رکھنے والے عوام اُنہیں پڑھ پڑھا اور سن سنا کر اپنے محسنین کے بارے میں بدگمان ہو گئے اور ان پر طعن ولعن کرنے لگے۔ حالانکہ محققین کے نزدیک معتمد اُصول یہ ہے کہ متن کو سند کے ساتھ بیان کیا جائے اور اسناد کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد روایات کے متون کی تحقیق کی جائے اور اُن کے مفہوم کو بیان کرنے میں قرآن وسنت او راور اسلام کے کلی اُصول کو سامنے رکھا جائے اور ان کے درمیان تطبیق دی جائے اور جو روایت قرآن کی واضح نصوص اور اسلام کے کلی اُصول سے میل نہ رکھتی ہو، اس کے مفہوم میں توقف کیا

جائے۔ یہ ہے طور طریقہ ان لوگوں کا جنہیں علم میں رسوخ حاصل ہے اور ان کے دل کھوٹ اور کجی سے پاک ہیں۔ اور جن کے دلوں میں کھوٹ اور کجی ہے وہ قرآن کی واضح نص پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ کذاب راویوں کی خود تراشیدہ داستانوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو ان کے متعلق یوں بیان فرمایا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح:۲۹)

”محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے نرم دل ہیں، تو انہیں رکوع کرتے اور سجدے کرتے ہوئے پائے گا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر (شرافت و وقار) کی نشانیاں ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں بیان ہوئے ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ اس کھیتی کی طرح جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر وہ اپنی نال پر کھڑی ہوئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان (صحابہ کی قوت وشوکت) کے ساتھ کفار کا دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ جو ان میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اعمال کیئے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔“

قارئین کرام! اب ہم آپ کے سامنے ایسے دلائل ذکر کرنے والے ہیں جو اس

حقیقت سے نقاب کشائی کریں گے کہ اصحابِؓ رسولؐ باہم شیر وشکر اور اُخوت ومحبت کا پیکر تھے۔ یہ دلائل اپنی وضاحت اور ستھرائی اور قوت معانی اور قریب الفہم ہونے کے باوجود جدید اور انوکھے ہیں۔ لہٰذا آپ نے ان دلائل کا جذباتی ہونے سے قبل، بلکہ اپنی خاندانی معلومات اور تاریخ کے بارے میں اپنی یادداشتوں پر اعتماد کرنے سے قبل، ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرنا ہے ۔ یہ دلائل حقیقی صورتِ حال سے ہم آہنگ اور قرآنی نص سے مطابقت رکھتے ہیں اور ہمارے سینوں کو صحابہ کرامؓ کے متعلق بدگمانی سے پاک کرتے ہیں۔

اصحابِ رسولؐ اور اہل بیتؓ کے مابین محبت واُخوت اور یگانگت

پہلا استدلال: پوری زندگی ان کا باہم مل جل کر رہنا

قارئین کرام! انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے اور انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا، اس کی فطرت میں داخل ہے، اس لئے وہ سامری کی طرح اکیلا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اسے بچپن میں والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے اور جب دس بارہ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسے مکتب میں ہم جماعتوں کے ساتھ مل کر پڑھنا اور کام کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ عالم شباب میں داخل ہوتا ہے تو اسے جوانوں کے ساتھ مل کر کمانا پڑتا ہے۔ اسے سفر وحضر میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسے پڑوسیوں کے ساتھ رہنے اور مسافروں کے ساتھ مل کر سفر کرنے اور ان کے ساتھ مل کر روزی کمانے کے لئے صنعت وحرفت اور تجارت ومضاربت کرنی پڑتی ہے اور ان مواقع پر اسے لوگوں کی نفسیات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ان مواقع پر اسے کوئی ضرورت پیش آئے اور کوئی انسان اس کی ضرورت پوری کردے یا اس کی تنگی دور کردے تو وہ انسان اسے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اچھے ہمسائے اور اچھے ہم نشین اور ہم جماعت زندگی بھر یاد رہتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو حج یا عمرہ کے محدود

سفر کے ساتھیوں کو عمر بھر نہیں بھولتے۔

لیکن ان ہستیوں کے متعلق کیا خیال ہے جو دعوتِ ایمان کے پُر آشوب ابتدائی دور میں دارِ ارقم میں حضرت رسول کریم ﷺ سے اسلام اور ایمان کا درس لیتی تھیں اور باہم متحد ہوکر کفارِ قریش سے نبرد آزما تھیں، پھر انہوں نے ایمان کی خاطر گھر بار، خویش و اقارب، مال و دولت کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی، اس سفر میں انہیں سنگلاخ پہاڑ اور لق ودق صحراء اور مہیب سمندر عبور کرنے پڑے، بعد ازاں انہیں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی اور اپنے محبوب اہل وعیال اور پیارے وطن کو چھوڑنا پڑا۔

پھر وہ پاکیزہ فطرت صحابہ کرامؓ جنہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کی کمان میں متفق اور متحد ہوکر جنگ بدر و اُحد لڑی ہو اور وہ غزوہ خندق میں اکٹھے محصور رہے ہوں، اور وہ شدید گرمیوں میں بے آب و گیاہ میدانوں اور سنگلاخ پہاڑوں اور وسیع وعریض ریگستانوں کو پیدل اور سوار طے کرکے میدان تبوک میں پہنچے ہوں اور ان مواقع پر انہوں نے اکٹھے ہوکر ظلم وستم کا مقابلہ کیا ہو۔ بھلا وہ آپس میں رحمدل اور متفق ومتحدہ نہ تھے؟ یقیناً وہ متفق ومتحد اور بنیانِ مرصوص تھے، اللہ نے انہیں باہم متفق ومتحد کرکے رشتہ ایمان میں پرو دیا تھا اور وہ یک جان اور کئی قالب بن گئے تھے، انہی کے متعلق اللہ نے بیان کیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ (الانفال:۶۲)

”وہی اللہ جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعے تیری مدد فرمائی اور ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ اگر تو زمین میں جو کچھ ہے وہ سارے کا سارا خرچ کر ڈالتا تو بھی ان

کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا تھا، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، بیشک وہ غالب حکمت والا ہے۔"

قارئین کرام! اس روشن حقیقت کے باوجود کچھ لوگ ان کے درمیان جدی پشتی عداوت ثابت کرنے کے لئے بیک گیئر لگاتے ہیں اور تاریخی کباڑ خانے سے ناکارہ مواد اکٹھا کر کے صحابہ کرام پر سب وشتم کو فروغ دیتے ہیں، اگر یہ لوگ صحابہ کرامؓ پر اللہ کے احسان کو مان لیں کہ اس نے ان کے درمیان عداوت ختم کردی تھی اور ان کو بھائی بھائی بنا دیا تھا تو اس میں ان کا کیا نقصان ہے؟ ربّ کریم اس بات کی خود شہادت دے رہا ہے کہ ان کے دل صاف وشفاف تھے اور وہ باہم شیر وشکر تھے اور ان کے درمیان وقتی اور عارضی جھگڑوں کے باوجود وہ بات نہ تھی جو کذاب راویوں نے مکذوبہ روایات میں ثابت کی ہے۔

قارئین کرام! آپ درج ذیل قرآنی آیات پر غور کریں، کیونکہ ان میں ان کے درمیان باہمی محبت کے ثمرآور درخت سے پھوٹنے والے ایثار کا ذکر بھی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُوْلٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمٰنَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ۸،۹)

"(مال فئ میں) ان نادار مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے

بے دخل کر دیے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت کرتے ہیں۔ وہی لوگ سچے ہیں اور جن لوگوں نے ان سے پہلے دار (ہجرت) اور ایمان کو ٹھکانہ بنا لیا، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئیں اور جب ان (مہاجرین) کو کچھ دیا جائے تو وہ (انصار) اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے، اگرچہ خود انہیں بھی (اس مال) کی ضرورت ہو اور جو لوگ اپنے نفس کی ہوس سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اس کے بعد ہم آپ کے سامنے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ کی زبان سے آپ کا وہ بیان نقل کرتے ہیں جو حقیقی صورتحال کا ترجمان ہے اور ایمانی اخوت کی حلاوت سے لبریز ہے۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھا: أيها الناس أخبروني من أشجع الناس؟

''لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب سے بڑھ کر شجاع اور دلیر کون ہے؟''

اُنہوں نے جواب دیا: اے امیر المومنین! آپ ہی شجاع ترین انسان ہیں۔

آپؓ نے فرمایا: جہاں تک میرا معاملہ ہے (اس میں اتنی حقیقت ہے کہ) میرا جس کسی دشمن سے مقابلہ ہوا میں نے حساب برابر کر دیا لیکن تم مجھے أشجع الناس کے متعلق بتاؤ کہ وہ کون ہے؟

حاضرین نے کہا: پھر ہم نہیں جانتے، لہٰذا آپ ہی بتائیں کہ وہ کون ہے؟

آپؓ نے فرمایا: ابوبکرؓ

اس کے بعد آپؓ نے حضرت رسول مقبول ﷺ کو کفارِ قریش کی گرفت سے

چھڑانے کی پاداش میں حضرت ابوبکرؓ کے المناک انجام اور آپ کے صبر واستقلال کا واقعہ سنایا اور پھر اتنا روئے کہ آپ کی چادر تر ہونے لگی۔ پھر آپ نے کوفی سامعین سے کہا: ''میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے بتاؤ:

''مؤمنِ آلِ فرعون بہتر تھا...... یا حضرت ابوبکرؓ؟''

حاضرین کوئی جواب نہ دے سکے تو آپؓ نے فرمایا:

''تم جواب کیوں نہیں دیتے، اللہ کی قسم! حضرت ابوبکرؓ کی یہ گھڑی (جس میں اُنہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو کفارِ قریش سے چھڑانے کی پاداش میں خوفناک مار کھائی تھی) آلِ فرعون کے مؤمن سے بہتر ہے، کیونکہ وہ اپنا ایمان چھپائے پھرتا تھا اور ابوبکرؓ اپنے ایمان کا اعلان کررہا تھا۔'' (الکنز: رقم ۳۵۶۹۰)

❁ علاوہ ازیں آپ کو اہل السنہ اور شیعہ کی کتابوں میں بہت سے واضح ارشادات ملیں گے جن میں آپؓ نے کھلے دل کے ساتھ جی بھر کر اپنے ساتھیوں کی فضیلت بیان کی ہے۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے کہ حضرت علیؓ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

" وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسْمَةَ لَا يُحِبُّهُمَا إِلَّا مَؤْمِنٌ فَاضِلٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمَا وَلَا يُخَالِفُهُمَا إِلاَّ شَقِيٌّ مَارِقٌ، فَحُبُّهُمَا قُرْبَةٌ وَبُغْضُهُمَا مُرُوْقٌ، مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَذْكُرُوْنَ أَخَوَيْ رَسُوْلِ اللهِ وَوَزِيْرَيْهِ وَصَاحِبَيْهِ وَسَيِّدَيْ قُرَيْشٍ وَأَبَوَيِ الْمُسْلِمِيْنَ؟ فَأَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّنْ يَذْكُرُهُمَا بِسُوْءٍ وَعَلَيْهِ مُعَاقِبٌ" (رقم: ۳۶۰۹۶)

''اس ذات کی قسم جس نے دانے اور گٹھلی کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا! ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو فاضل مؤمن ہوگا اور ان دونوں سے وہی بغض وعداوت

رکھے گا جو بدبخت اور مارق ہوگا، کیونکہ ان دونوں کی محبت تقرب الٰہی کا سبب ہے اور ان سے بغض ونفرت رکھنا دین سے خارج ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو رسول اللہؐ کے دو بھائیوں اور دو وزیروں اور دو ساتھیوں اور قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کو نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں؟ میں ان لوگوں سے لاتعلق ہوں جو ان دونوں کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور اس پر انہیں سزا دوں گا۔''

❁ مزید برآں نہج البلاغۃ میں آپؓ سے تمام صحابہ کرامؓ کی تعریف منقول ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

''میں نے اصحابِ محمدؐ کو دیکھا ہے، میں تم میں کوئی ایسا انسان نہیں دیکھ رہا جو ان کے مشابہ ہو۔ وہ پراگندہ حالی میں صبح کرتے تھے، کیونکہ وہ قیام اور سجدوں میں رات بسر کرتے تھے۔ وہ (تھکاوٹ کی وجہ سے سجدوں میں) اپنی پیشانیوں اور رخساروں پر ٹیک لگا کر راحت حاصل کرتے تھے اور اپنے یومِ حساب کو یاد کرکے یوں کھڑے ہوتے تھے، جیسے وہ انگاروں پر کھڑے ہوں اور طویل سجدوں کی وجہ سے گویا ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے جیسے نشان پڑ گئے تھے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑتے یہاں تک کہ ان کے گریبان تر ہوجاتے۔ وہ عذاب کے خوف اور ثواب کی اُمید کی وجہ سے یوں لرزتے کانپتے جھک جاتے جیسے آندھی کے طوفان سے درخت جھک جاتے ہیں۔''

❁ اور جب حضرت عمر فاروقؓ شہید ہوئے تو آپؓ لوگوں کی طرف نکلے اور فرمایا:

"للہ درُّ باکیۃِ عمر! واعمراہ! قَوَّمَ الاَوْدَ وَابْرَأَ الْعَمَد، واعمراہ! مات نقیَّ الثوب، قلیل العیب، واعمراہ! ذھب بالسنۃ وخلف الفتنۃ" (نہج البلاغۃ: ص۲۷۷ اور الرقۃ والبکاء لابن قدامۃ)

''عمرؓ (کی خوبیوں کو یاد کرکے) رونے والی کا کمال، اللہ ہی کو زیبا ہے۔ آہ عمرؓ کی شہادت کس قدر غم ناک ہے! اس نے ٹیڑھ اور بگاڑ کو سیدھا کر دیا اور بیماری کو تندرسی میں بدل دیا۔ آہ عمرؓ کی شہادت کس قدر غمناک ہے! وہ اس حال میں فوت ہوا کہ وہ صاف وشفاف لباس والا اور معمولی داغ والا تھا۔ آہ عمرؓ کی شہادت کس قدر اندوہناک ہے! وہ سنت لے گیا اور آزمائش چھوڑ گیا۔''

❁ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ کو حضرت عمر فاروقؓ سے جس قدر محبت تھی اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور امام محبّ طبری اپنی ریاض النضرۃ میں اور رامام ابن قدامہ مقدسی اپنی الرقۃ والبکاء میں حضرت ابومریم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ کے جسم پر پرانا کمبل دیکھا جس کے کنارے گھس چکے تھے۔

میں نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔

آپؓ نے فرمایا: بولو، کیا کام ہے؟

میں نے عرض کیا کہ آپ اس کمبل کو اُتار پھینکیں اور کوئی دوسرا کمبل اوڑھ لیں۔ یہ سنتے ہی آپؓ نے وہ کمبل اپنے منہ پر ڈال لیا اور رونے لگے۔

میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اگر مجھے معلوم ہوجاتا کہ میری اس بات کا آپ پر اس قدر ناگوار اثر ہونا ہے تو میں یہ بات کبھی نہ کہتا۔

آپ نے فرمایا: یہ کمبل مجھے میرے خلیل نے پہنایا تھا۔

میں نے عرض کیا: آپ کا خلیل کون ہے؟

آپؓ نے فرمایا: عمر بن خطابؓ انہوں نے اللہ سے خلوص کا معاملہ کیا تو اللہ نے ان

سے خیر خواہی کی۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ:ج ۱۲/ص ۲۹ رقم ۱۲۰۴۶)

⦿ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خلفائے راشدینؓ سے یگانگت اور موافقت کا آفتاب نصف النہار سے بڑھ کر آشکار ثبوت یہ ہے کہ آپ نے فدک کی جاگیر کے متعلق خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی روایت کردہ حدیث رسولؐ «لا نورث ، ما ترکناہ صدقة» کو صدق دل سے قبول کیا اور اپنے دورِ خلافت میں فدک کی اسی حیثیت کو بحال رکھا جو خلیفہ اوّل کے دور میں تھی اور اس میں ذرّہ برابر تغیر نہ کیا۔ اگر خدانخواستہ آپ کے دل میں خلیفہ اوّل کے بارے میں ذرہ برابر کدورت ہوتی تو آپ نے ان کے حکم کو کالعدم قرار دے کر فدک کی جاگیر پر قبضہ کر کے اسے اپنے اور بیٹوں اور بیٹیوں میں وراثتی قانون کے مطابق تقسیم کر دینا تھا، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، کیوں؟ اس لئے کہ آپ کو خلیفہ اوّل کی صداقت کا یقین تھا اور آپ ان کی فہم و فراست کو اپنی فہم پر فوقیت دیتے تھے اور ان کی خلافت کو درست سمجھتے تھے۔ اس طرح آپ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت کو درست سمجھتے تھے اور ان کے اقدامات کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب فضائل الصحابہ اور امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ کی مصنف اور امام آجری کی کتاب الشریعة کی روایات کا ماحصل یہ ہے کہ نجران کے نصرانی آپ کی خدمت میں آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر لے کر پیش ہوئے جب آپ نے وہ تحریر دیکھی تو آبدیدہ ہو کر فرمایا اللہ کی قسم یہ میرا رسم الخط ہے اور میں نے ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور وہی کچھ لکھا تھا جو رسول مقبول ﷺ نے لکھوایا تھا۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین، حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہمیں ہماری زمینوں سے بے دخل کر دیا تھا اور آپ اس تحریر کی روشنی میں ہماری زمینیں ہمیں واپس دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: افسوس تم پر۔ حضرت عمرؓ رشید الامر اور دور اندیش حکمران تھے

میں ان کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کروں گا۔ امام عبد خیر اور سلیمان بن مہران فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے دل میں حضرت عمرؓ کے متعلق ذرہ برابر کدورت ہوتی تو آپ کے لئے یہ موقعہ غنیمت تھا اور آپ بآسانی ان کے حکم کو ردّ کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا کیوں؟ اس لئے کہ آپ دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے مصحف شریف کو قریش کے لہجے پر مرتب کرنے کے بارے میں حضرت عثمانؓ کے اقدام کی تعریف کی اور ساری زندگی اسی مصحف کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے جو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کے مشورہ سے مرتب کروایا تھا اور اس کی نقول تمام صوبوں میں بھجوائی تھیں اور یہ ایسی صداقتیں ہیں جنہیں تمام اہل علم نے تسلیم کیا ہے۔

◉ امام ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور امام ابوبکر محمد حسین آجری اپنی کتاب الشریعة میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن حاطب سے روایت کرتے ہیں کہ چند لوگوں نے سیدنا حسنؓ بن علی المرتضیؓ سے سیدنا عثمان بن عفانؓ کے متعلق تاثرات لینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ چند لمحوں میں حضرت امیر المؤمنین تشریف لانے والے ہیں اس لئے تم نے حضرت عثمان کے متعلق ان سے پوچھنا۔ چنانچہ چند لمحوں کے دوران امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لائے تو حاضرین نے ان سے سیدنا عثمانؓ بن عفان کے متعلق پوچھا تو آپ نے سورہ مائدہ کی آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوْا وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پڑھنا شروع کر دی، چنانچہ جب آپ نے اس آیت کریمہ کا لفظ:

إذا ما اتقوا پڑھا تو فرمایا: كان عثمان من الذين اتقوا

اور جب وآمنوا پڑھا تو فرمایا: كان عثمان من الذين آمنوا

اور جب وعملوا الصٰلحٰت پڑھا تو فرمایا: کان عثمان من الذین عملوا الصٰلحٰت

اور جب ثمّ اتقوا پڑھا تو فرمایا: کان عثمان من الذین اتقوا

اور جب وآمنوا پڑھا تو فرمایا: کان عثمان من الذین آمنوا

اور جب ثم اتقوا پڑھا تو فرمایا: کان عثمان من الذین اتقوا

اور جب وأحسنوا پڑھا تو فرمایا: کان عثمان من الذین أحسنوا

اور واللہ یحب المحسنین پر آیت ختم کردی۔

اس آیت کے ہر ہر لفظ کے بعد حضرت عثمانؓ کا نام لینا کس بات پر دلالت کرتا ہے؟! اس بات پر کہ آپ کو حضرت عثمانؓ سے ایمانی اور نسبی محبت تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲۱۰۹) مستدرک (ج۳)

◉ اب امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کا نظریہ بھی پڑھ لیجئے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان رحماء بینھم کا آئینہ دار ہے۔

نھج البلاغۃ (ص۴۷۴) اور حلیۃ الأولیاء (۸۴/۱) میں ہے کہ حضرت ضرار بن حمزہ ضبائی، حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں تشریف لائے تو آپؓ نے ان سے کہا: میرے سامنے حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کیجئے، اُنہوں نے عرض کیا:

اے امیر المومنینؓ! اس معاملے میں آپ معذرت قبول نہیں کرتے؟

آپؓ نے فرمایا: میں معذرت قبول نہیں کرسکتا۔

انہوں نے کہا: اگر ضرور ہی سننے ہیں تو سنیے......

اللہ کی قسم! وہ بلند خیال اور مضبوط اعصاب والے تھے، دوٹوک بات کہتے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے، ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے اور چاروں

طرف حکمت ودانائی بولتی تھی۔ وہ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے اُچاٹ اور رات اور اس کے اندھیروں سے مانوس تھے۔

اللہ کی قسم! وہ بڑے متحمل اور گہری سوچ رکھنے والے انسان تھے۔

اس دوران اپنی ہتھیلی کو پلٹتے اور اپنے آپ سے مخاطب ہوتے تھے۔

آپؓ سستا لباس اور سادہ خوراک پسند کرتے تھے۔

اللہ کی قسم! وہ ہم میں عام آدمی کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس آتے تو وہ ہمیں اپنے قریب بٹھاتے اور جب ہم سوال کرتے تو وہ ہمیں جواب دیتے تھے اور اتنے تقرب کے باوجود ہم ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے گفتگو کی ہمت نہ پاتے۔ جب وہ مسکراتے تو دندانِ مبارک پروئے ہوئے موتیوں کی لڑی نظر آتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے اور مساکین سے محبت کرتے تھے۔کوئی طاقتور شخص اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان سے ناحق فیصلہ کروانے کی طمع نہ کرسکتا تھا اور نہ کمزور انسان ان کے عدل سے مایوس ہوتا تھا۔

میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں بعض مواقع پر ستاروں کے ڈھلنے کے بعد اندھیری راتوں میں دیکھا کہ وہ اپنے محراب میں اپنی داڑھی پکڑ کر سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح تڑپ رہے تھے اور غمگین کی طرح رو رہے تھے اور گویا کہ میں اب بھی اُنہیں سن رہا ہوں کہ وہ کہہ رہے ہیں: یَا رَبَّنَا یَا رَبَّنَا اور اس کے سامنے گریہ زاری کررہے ہیں۔ پھر دنیا سے کہہ رہے ہیں کہ تو مجھے دھوکہ دیتی ہے اور میری طرف لپکتی ہے؟ مجھ سے دور رہ، کسی اور کو دھوکہ دے، میں تو تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں، تیری عمر چھوٹی ہے اور محفل حقیر ہے اور مرتبہ معمولی ہے۔

آہ! سفر لمبا ہے، سفر خرچ کم ہے اور راستہ پُر خطر ہے......!!

یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے اور ان کی داڑھی پر بہنے لگے۔ انہوں نے آنسوؤں کو آستین سے خشک کرنا شروع کردیا اور ہم نشین بلک بلک کر رونے لگے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ابوالحسن پر اللہ رحم فرمائے۔ یقیناً وہ ایسے ہی تھے۔ اے ضرار! ان کی شہادت پر تیرا غم کیسا ہے؟

اُنہوں نے کہا: جیسے کسی عورت کے اکلوتے بیٹے کو اس کی گود میں ہی ذبح کردیا گیا، نہ تو اس کے آنسو تھمتے ہیں، نہ غم ختم ہوتا ہے۔

اس روایت سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کتنے اشتیاق اور اصرار کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰؓ کے اوصاف سنے اور کس قدر وسعتِ ظرفی سے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا۔

❁ اب ہم آپ کے سامنے ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت کرامؓ باوجود اپنے مرتبہ ومقام کے دیگر صحابہ کرامؓ کی دل وجان سے قدر کرتے تھے اور ان کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔

ساتویں صدی کے مشہور شیعہ محدث بہاؤالدین ابوالحسن علی بن حسین اربلی اپنی کتاب کشف الغمة في معرفة الآئمة میں بیان کرتے ہیں کہ عراقیوں کا ایک گروہ سبط رسول سیدنا علی بن حسین زین العابدین کے پاس آیا اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ و عثمانؓ کے متعلق نامناسب باتیں کرنے لگا۔ جب وہ اپنی باتوں سے فارغ ہوا، تو آپ نے فرمایا: میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم ان اوّلین مہاجروں میں سے ہو؟

﴿اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ﴾[1]

اُنہوں نے کہا: نہیں!

آپ نے فرمایا: کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ﴿ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[2]

اُنہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم بذاتِ خود اس بات کے اقراری ہو گئے کہ تم ان دونوں فریقوں میں سے نہیں ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو، جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ

﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحشر: ۸تا۱۰)[3]

میرے پاس سے نکل جاو، اللہ تمہارا (برا) کرے۔

یہ ہے سبطِ رسول حضرت زین العابدین علی بن حسینؒ کا مبارک نکتہ نظر ان لوگوں کے متعلق جو صحابہ کرام کی حسن سیرت وسلوک میں عیوب تلاش کرتے ہیں۔

---

① ''جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں۔''

② ''جو دارِ ہجرت (مدینہ) اور ایمان کو ان سے پہلے ٹھکانہ بنا چکے تھے۔ وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان (مہاجرین) کو جو کچھ دیا جائے، اس سے اپنے سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے اور وہ انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود بھی اس کی شدید ضرورت ہو۔''

③ ''اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے متعلق کینہ وکدورت پیدا نہ کر۔''

صحابہؓ اور اہل بیتؓ کی باہمی محبت پر دوسرا استدلال
صحابہؓ کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنا

قارئین کرام! مہذب اور متمدن معاشرے میں نام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور بچے کی پیدائش پر اس کا نام رکھنے سے اس کے والدین کی نفسیات اور چاہتوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اگر وہ جنگ وجدال کے خوگر ہیں تو وہ اپنے بچوں کے نام مشہور جنگجوؤں کے ناموں پر رکھیں گے اور اگر وہ جود وسخا اور بذل وعطا کو اچھا سمجھتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کے نام جواد اور فیاض انسانوں کے ناموں پر رکھیں گے۔

قدیم دور میں کہا جاتا تھا: ما اِسمك اَعرفُ اباك (کہ مجھے بتاؤ تمہارا نام کیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تیرے باپ کا تعارف حاصل کروں۔) الغرض نام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے ہی والدین اور گھر کے افراد اپنے بچے کو دوسروں سے ممتاز اور نمایاں کرتے ہیں اور وہ اسے اس نام سے پکارتے ہیں جو اُنہوں نے پسند کیا ہوتا ہے اور یہی عمل اس کے باپ سے اس کے ربط کا پتہ دیتا ہے اور نام سے ہی بچے کے باپ کی عقل اور اس کے دین کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

علمائے اُصول و لغت کے ہاں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ناموں میں واضح اشارات اور معانی ہوتے ہیں جو موسوم کی شخصیت میں پنہاں خصلتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس لئے علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم نے لغت اور اصول فقہ کی کتابوں میں

اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل پر طویل گفتگو کی ہے۔

نام کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے اچھے نام رکھنے کی ترغیب دی ہے اور برے ناموں کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

أَحَبُّ الاَسْمَاءِ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ (صحیح ابوداود: ۴۱۳۹)

''اللہ کے ہاں پسندیدہ نام عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں۔''

چنانچہ آپؐ کو اچھا نام پسند ہوتا تھا اور آپؐ اس سے نیک فال لیتے تھے اور بُرے نام سے آپ کو نفرت تھی، اس لئے آپؐ نے فرمایا:

اَخْنٰى الاَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تُسَمّٰى مَلِكُ الاَمْلَاكِ

(صحیح بخاری: ۶۲۰۵)

''قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے برے نام والا وہ شخص ہے جس کا نام شہنشاہ رکھا جائے۔''

اور آپ برے معنی و مفہوم والے ناموں کو بدل دیتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے حرب، مرہ اور حزن جیسے ناموں کو بدل دیا تھا اور ان کی بجائے اچھے معنی و مفہوم والے نام تجویز فرمائے تھے مثلاً حارث، ھمام اور سھل وغیرہ

بہر حال اُمت کے شرفاء و نجباء اور عقلاء و فضلاء اپنی اولاد کے ایسے نام نہیں رکھتے جن کا کوئی معنی و مفہوم نہ ہو اور وہ اپنے اندر کوئی دلالت بھی نہ رکھتے ہوں بلکہ وہ اپنے عزیز از جان بیٹوں اور بیٹیوں کے نام انبیاء و شہداء اور صالحین کے ناموں پر رکھتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

طَيِّبَةً﴾ (النحل:۹۷)

''جو کوئی نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن بھی ہو تو ہم اس کو حیاتِ جاوداں نصیب کریں گے۔''

چنانچہ اللہ کی حکمت نے تقاضا کیا کہ وہ اپنے نیک بندوں کے تذکرے، ان کے ناموں کے ذریعے، قیامت تک زندہ رکھے۔ اس لئے اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و اُلفت ڈال دی ہے اور وہ ان ہستیوں سے محبت اور وابستگی کے لئے اپنی اولاد کے نام، ان کے ناموں پر رکھتے ہیں۔

❶ اس تمہید کے بعد ہم اصل مدعا بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ نے خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیھم سے شدید محبت کی بنا پر اپنے بچوں کے نام، ان کے ناموں پر رکھے اور وہ بھی عداوت مٹ جانے کے صدیوں بعد نہیں بلکہ بقول شیعہ صاحبان: عداوت کے عروج کے دور میں اور ہم اہل السنہ کے بقول: محبت و پیار کے عروج کے دور میں رکھے اور وہ یہ ہیں:

- سیدنا ابوبکرؒ بن علیؓ بن ابی طالب ہاشمی قریشی، جو اپنے بھائی سیدنا حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان پر اور ان کے باپ پر افضل و اعلیٰ درود وسلام ہو۔
- سیدنا عمرؒ بن علیؓ بن ابی طالب ہاشمی قریشی، جو اپنے بھائی سیدنا حسینؓ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان پر اور انکے باپ پر اعلیٰ و افضل درود وسلام ہو۔
- سیدنا عثمانؒ بن علیؓ بن ابی طالب ہاشمی قریشی، جو اپنے بھائی سید حسینؓ کے ساتھ حادثہ کربلا میں شہید ہوئے۔

❷ امیر المومنین سیدنا حسنؓ بن علیؓ (فرشتہ رحمت) نے بھی اپنے بیٹوں کے نام،

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے ناموں پر رکھے۔ اور وہ یہ ہیں:

❁ سیدنا ابوبکرؒ بن حسنؓ بن علیؓ، جو اپنے چچا سیدنا حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

❁ سیدنا عمرؒ بن حسنؓ بن علی مرتضیٰؓ، یہ بھی اپنے چچا کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

❁ سیدنا طلحہؒ بن حسنؓ بن علی مرتضیٰؓ یہ بھی اپنے چچا سیدنا حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

❸ ریاضِ رسولؐ کے مشکبار پھول سیدنا حسینؓ بن علی المرتضیٰؓ نے بھی اپنے نورِ چشم کا نام خلیفہ ثانی کے نام پر رکھا، ان کا نام تھا۔

❁ سیدنا عمرؒ بن حسینؓ بن علیؓ ہاشمی قریشی رضوان اللہ علیہم اجمعین

❹ مدعیانِ حبِ اہل بیت کے چوتھے امام سیدنا علی بن حسینؓ زین العابدین نے بھی اپنے نورِ چشم کا نام خلیفہ ثانی کے نام پر اور اپنی لخت جگر کا نام اُمّ المومنین کے نام پر رکھا۔ ان کے نام یہ ہیں:

❁ سیدنا عمرؒ بن علی بن حسین بن علی المرتضیٰ ہاشمی قریشی

سیدہ عائشہؒ بنت علی بن حسین ہاشمیہ قرشیہ

❺ مدعیانِ حب اہل بیت کے چھٹے امام سیدنا موسیٰ بن جعفر صادق نے بھی اپنے نورِ نظر کا نام (سیدنا) عمرؒ اور لختِ جگر کا نام (سیدہ) عائشہ بنت موسیٰ رکھا۔[1]

علاوہ ازیں آپ کو حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی قریشی اور سیدنا جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہاشمی اور حضرت مسلم بن عقیل کی اولاد میں بھی یہ نام ملیں گے۔ لیکن یہاں ایسے ناموں کی گنتی مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اہل بیت کرامؓ کا یہ عمل ہمارے مدعا پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے پیارے رسولؐ کے پیارے

---

① كشف الغمة ۲۹/۳، ۳۱، إعلام الورىٰ للطبرسي ۳۰۳، تاريخ يعقوبي ۲/۲۱۲

صحابہؓ کرام کا بڑا مقام تھا۔ خدانخواستہ اگر ان کے دلوں میں ان کا احترام نہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے۔ بھلا آج کل کے شیعہ ان پاکبازوں کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے ہیں، ہرگز نہیں کیونکہ انہیں ان سے کینہ وبغض ہے۔ جبکہ اُنہیں صحابہ کرام سے محبت تھی اس لئے انہوں نے ایسا کیا اوران کا ایسا کرنا آیتِ قرآنی کا مصداق ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾

''جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔عنقریب رحمٰن ان کو مودّت (ہردل عزیزی) عطا فرمائے گا۔'' (مریم:۹٦)

اس استدلال کے منکرین کے خیالات کا تجزیہ

شیعہ برادران میں سے بعض حضرات اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ اوران کے صاحبزادوں نے اپنی اولاد کے نام، خلفاے ثلاثہ کے نام پرنہیں رکھے۔لیکن ان حضرات کا یہ انکار ان کے علم الأنساب والأسماء سے ناواقفیت کا ثبوت ہے اوراس بات کا پتہ دیتا ہے کہ انہیں تحقیقی کتابوں کے مطالعہ کا وقت نہیں ملا اور پھر ان حضرات کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور کبار علماے شیعہ نے ان کا ردّ بھی کیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت کرام کے یہ مبارک نام شیعہ کی معتمد اور معتبر کتابوں میں موجود ہیں، حتیٰ کہ روح فرسا حادثہ کربلا کی روایات میں بھی ہیں اوراس آزمائش میں حضرت عمرؓ بن علی اور حضرت عمرؓ بن حسنؓ سبطِ رسول کی جواں مردی ثابت شدہ حقیقت ہے، کیونکہ یہ دونوں شہزادے بھی اپنے دوسرے بھائیوں ابوبکر بن علی بن ابی طالب اور ابوبکر بن حسن بن علی وغیرہم کے ہمراہ حضرت حسین کے سامنے بہادری سے شہید ہوئے تھے۔

اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، کیونکہ اس کے دلائل آفتاب نیم روز کی طرح آشکارا ہیں۔ البتہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حسینیات پر مشتمل کتابوں اور مرثیوں میں ان ناموں کا تذکرہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی ماتم کے دنوں میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا عدمِ ذکر ان کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا اور پھر اگر حسینیات کے مؤلفین اور مرثیہ نگار ان ناموں کا تذکرہ کر دیں تو انکے افسانوں سے ہوا نکل جائے گی اور لوگ پوچھنا شروع کر دیں گے کہ تمہارے بقول اگر خلفاے ثلاثہ ظالم اور غاصب تھے تو اہل بیتؓ نے ان کے ناموں کو زندہ رکھنے کی برکت کیوں حاصل کی۔

بعض شیعہ مجتہدین جب اس حقیقت کے سامنے لاجواب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کبار صحابہ کے ناموں پر ان کے نام رکھنے کا مقصد تقیہ کے طور پر انہیں سب وشتم کرنا ہے۔ یہ کیسا عجیب وغریب اور بیک وقت ہنسانے اور رُلا دینے والا جواب ہے کہ انہیں رنج اور دکھ تو خلفاے ثلاثہ سے ہو اور وہ اس کی سزا اپنی اولاد کو دیتے ہوں اور ان کے ناموں پر سب وشتم کر کے اُنہیں خون کے گھونٹ پلاتے ہوں۔

المختصر ہم اہل السنہ تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حضرت علیؓ اپنے ایمانی اور نسبی بھائیوں کو دھوکہ دیتے ہوں اور آپ کو تقیہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیا آپ شجاع اور دلیر نہ تھے؟ ہم اس بات پر یقین کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں کہ آپ بنوتیم یا بنوعدی یا بنواُمیہ کے خوف کی وجہ سے تقیہ کرتے ہوں اور ان کی نفرت کی سزا اپنی اولاد کو دیتے ہوں۔

ہم ان مکذوبہ روایات کو بھی قطعاً تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جو آپ کو ایسا بزدل ثابت کرتی ہیں کہ آپ اپنی عزت وتکریم کی پامالی پر چپ سادھ لیتے تھے۔ ہمارا مدعا یہ

ہے کہ ائمہ اطہار کا اپنی اولاد کے نام، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم صحابہ وصحابیات کے نام پر رکھنا، بلا وجہ اور بلا معنی نہیں ہے بلکہ یہ عمل ان سے اُخوت ومحبت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور کوئی شیعہ عالم اس کا تسلی بخش جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ہی اسے اہل السنہ کی شیعہ کتب میں دسیسہ کاری قرار دے سکتا ہے، کیونکہ جن کتابوں سے اس حقیقت کے حوالے پیش کئے گئے ہیں، وہ اہل السنہ نے شائع نہیں کیں بلکہ صدیوں پہلے شیعہ ہی انہیں شائع کر چکے ہیں۔

لہٰذا ہمیں مان لینا چاہئے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کے صاحبزادوں جیسے ائمہ اطہار سچے دل سے خلفائے راشدین اور تمام اصحابِ رسول سے اُلفت ومحبت رکھتے تھے اور ان سے خمس کے علاوہ خصوصی عطیات بھی قبول کرتے تھے اور ان کا یہ طرزِ عمل، عقل اور نفسیاتی اور حقیقی طور پر اللہ کے اس فرمان کے مطابق ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح:۲۹)

اہل بیت عظامؓ اور صحابہ کرامؓ کی محبت پر تیسرا استدلال

آپس میں رشتہ داریاں

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مصاہرت کے ذریعے تعلق مضبوط کرنے والا بنایا ہے اور اسے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی قرار دیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾ (الفرقان:۵۴)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا فرمایا اور اسے نسب اور صِھر (سے رشتہ استوار کرنے) والا بنایا اور تیرا رب قدرت والا ہے۔''

مصاہرت کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ دوسروں سے ازدواجی رشتہ کرنا یعنی ان کا داماد یا بہنوئی بننا یا انہیں اپنا داماد اور بہنوئی بنانا۔ مصاہرت ایک شرعی تعلق ہے اور اللہ نے اسے نسب کے ہم پلہ قرار دیا ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

ابنُ اختِ القَوْم منهُم (صحیح بخاری:۶۷۶۲)

''قوم کی بہن کا بیٹا انہی میں سے ہے۔''

عربوں کے ہاں مصاہرت کا بڑا مرتبہ و مقام تھا۔ وہ اس پر فخر کے قائل تھے۔ وہ لوگ اپنی بیٹیاں اور بہنیں اُن لوگوں سے نہیں بیاہتے تھے جنہیں وہ حسب ونسب کے

اعتبار سے کمتر سمجھتے تھے، وہ کہا کرتے تھے:

وَهَـلْ يَنْـتِجُ الْخَطِيُّ إِلَّا وَشِـيْجَةً
وَيَغْـرِسُ إِلَّا فِيْ مَنَابِتِـهِ النَّخْـلُ

''شریف النسل ہی نجیب اولاد پیدا کرسکتا ہے اور کھجور سے اچھا پھل حاصل کرنے کے لئے اس کی موزوں جگہ پر ہی بویا جاتا ہے۔''

وہ اپنی عورتوں پر غیرت کھاتے تھے اور ان کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال دیا کرتے تھے اور اس سے بڑی بڑی لڑائیاں اور جنگیں برپا ہوجاتی تھیں اور خون کی ندیاں بہہ پڑتی تھیں اور یہ بات عربوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ بہت سے عجمیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔افغان قوم آج بھی عورتوں پر اتنی غیرت کھاتی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔بعض عرب اسی غیرت اور خوف عار کی وجہ سے اپنی ننھی ننھی بچیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے۔

اسلام آیا تو اس نے اس طرح کی سنگ دلی کو حرام ٹھہرایا اور گھٹیا نظریات اور گندی عادات سے منع کردیا اور عمدہ اوصاف اور بلند اخلاق کو برقرار رکھا۔جہاں تک عورتوں پر غیرت کھانے اور ان کی عزت وآبرو بچانے کا مسئلہ ہے تو اس کی خاطر مرجانے والے کو حضرت رسول کریم ﷺ نے شہید قرار دیا ہے، بلکہ آپ نے ایک مسلمان عورت کے چہرے کو ازراہِ شرارت ننگا کرنے اور اس سے فساد کا باعث بننے والے یہودیوں سے معاہدہ ختم کردیا تھا اور ان سے جنگ کی تھی۔(غزوہ بنو قینقاع کے اسباب کی طرف اشارہ ہے) (سیرۃ ابن ہشام:۴۸/۳)

اسلام نے مصاہرت قائم کرنے کے سلسلے میں حسب ونسب اور حسن و جمال کو لغو

قرار نہیں دیا بلکہ اسے برقرار رکھ کر اس میں دین اور تقویٰ کو شامل کر دیا اور اسے اولیت دے دی ہے اور اس پر بہت سے احکام مرتب کئے ہیں۔

فقہائے اسلام نے اس میں کفاءت (برابری) پر خامہ فرسائی کی ہے کہ آیا عقد زواج یا اس کے لوازمات میں کفاءت شرط ہے؟ اگر ہے تو کس اعتبار سے شرط ہے؟ اور کیا اس میں بیوی بننے والی عورت کا ہی حق ہے یا اس میں اس کے ورثا بھی شریک ہیں؟ اور اس میں گواہوں کی شرط ہے یا کہ نہیں؟ اگر شرط ہے تو وہ گواہ کیسے ہوں؟

المختصر اسلام میں مصاہرت قائم کرنے کے لئے دور اندیشی سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان اپنے لئے کسی سے رشتہ طلب کرتا ہے، اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو دوستوں سے معاونت طلب کی جاتی ہے اور عورت کے سرپرست آپس میں صلاح مشورہ کرتے ہیں۔ اگر عورت اور اس کے ورثا آمادہ ہو جاتے ہیں تو پھر حق مہر متعین ہوتا ہے اور وہ بسا اوقات پہلے بھی دے دیا جاتا ہے اور پھر آپس میں تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے اور بعد ازاں عقد نکاح کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ اس میں گواہوں کا ہونا اور اس کی تشہیر کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس رشتے کے ذریعے دور والے قریب ہو جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی جائیدادوں کے وارث بن جاتے ہیں۔

اسلام سے قبل قبائل عرب رشتہ ناطہ کرتے وقت نسبی کفاءت کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اس معاملہ میں قریش پیش پیش تھے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے برتر سمجھ کر دوسرے قبائل میں اپنی بیٹیاں بیاہنے کو اپنی توہین خیال کرتے تھے اور یہ چیز سب سے زیادہ بنو عبد مناف میں پائی جاتی تھی، یہ زیادہ تر اپنی بیٹیوں کی شادیاں آپس میں ہی کرتے

تھے، یعنی اُموی سردار اپنی بیٹیاں ہاشمی سرداروں سے بیاہتے اور ہاشمی سردار اپنی بیٹیاں اُموی سرداروں سے بیاہتے تھے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی دادا عبد مناف کی اولاد تھے۔

چنانچہ سردار عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنی لختِ جگر اور حضرت رسول کریم ﷺ کی سگی پھوپھی بیضا بنت عبدالمطلب ہاشمیہ قرشیہ کی شادی اپنے اُموی بھتیجے کریز بن حبیب بن عبد شمس سے کردی تھی اور ان کی اس بیٹی کی لخت جگر (اروٰیؓ) کے بطن سے ہی حضرت عثمان بن عفان پیدا ہوئے۔

اور حرب بن امیہ (ابوسفیان کے باپ) نے اپنی بیٹی اُمّ جمیل اروٰی بنت حرب کی شادی حضرت رسول کریم ﷺ کے چچا ابولہب بن عبدالمطلب بن ہاشم سے کردی تھی اور جناب عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنی لخت جگر اور حضرت رسول کریمؐ کی پھوپھی صفیہ کو حارث بن حرب اموی (حضرت معاویہؓ کے چچا) سے بیاہ دیا تھا جب وہ فوت ہوگیا تو پھر ان کو حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے بیاہ دیا جن سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔

اس طرح ابوسفیان اُموی کی صاحبزادی ہند بنت ابی سفیان، سیدنا حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھی۔

یہاں ان کی آپس میں شادیوں کو مکمل طور پر شمار کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے درمیان عداوتیں اور نفرتیں ہرگز نہ تھیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ان مصاہرتوں کے ذریعے اپنا رشتہ مضبوط نہ کرتے۔ جب اللہ نے اس قبیلے کے افراد کو دولت ایمان نصیب فرمائی تو یہ حسب ونسب کی برتری کے بت کو توڑ کر ایمانی بھائی بن گئے اور ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر رشتے ناتے کرنے لگے۔ چنانچہ اہل بیت عظامؓ نے صحابہ کرامؓ

کے ساتھ مودّت و اُخوت کو مستحکم کرنے کے لئے ان کے کمالات تسلیم کرنے اور ان کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے رشتہ مصاہرت بھی کیا اور بڑے فخر سے ان کے داماد بنے اور اُنہیں اپنا داماد بنایا۔ چنانچہ جب حضرت رسول مقبول ﷺ ابوسفیان اُمویؓ کے داماد بنے تو اس نے از راہِ فخر یہ جملہ کہا:

"ذلك الفحل لا يقدع أنفه"

''وہ اعلیٰ نسل کا عظیم الشان فرد ہے، اسے کسی رشتے سے جواب نہیں دیا جاسکتا۔''

(المنتقی من منهاج الاعتدال بتحقیق محبّ الدین الخطیب، ص۲۶۶)

اس طویل تمہید کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

❶ اہل بیت عظام کی صدیقی گھرانے سے مصاہرت

اس کے ثبوت کے لئے حضرت الامام جعفر بن محمد ہاشمی قریشی کا یہ قول ہی کافی ہے کہ ولدني أبوبكر مرتين ''مجھے ابوبکرؓ نے دو مرتبہ جنا ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ حضرت امام جعفر الصادق کی والدہ کون ہے؟

وہ ہے اُمّ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ اور ان کی والدہ کا نام تھا

أسماء بنت عبد الرحمٰن بن أبي بكر الصديق

دانش مند برادران! ذرا سوچئے اور غور فرمایئے کہ امام جعفرؒ الصادق نے محمد بن ابوبکر کا نام نہیں لیا بلکہ ابوبکر صدیق کا نام لیا ہے، کیونکہ انہیں کے نام پر ہی فخر کیا جاسکتا ہے جو بڑے رتبہ کے انسان ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مفتون لوگ حبِ اہل بیت کا نقاب اوڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق کی بدگوئی کرتے ہوں اور آپ نے ان کے منہ بند کرنے کی خاطر اس فضیلت کو بیان فرمایا ہو اور اشارہ کیا ہو کہ ان کی بدگوئی کرنے

والا درحقیقت ہماری بدگوئی کرتا ہے۔

❷ سیدنا علیؓ مرتضیٰ کی اُموی گھرانے سے مصاہرت

اس کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت امیرالمومنینؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراء کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی اُمامہ بنت العاص بن ربیع اُمویہ سے نکاح کیا تھا۔

❸ سیدنا عمر فاروقؓ کی ہاشمی گھرانے سے مصاہرت

اس مصاہرت کے ثبوت کے لئے بہتر ہے کہ اہل السنہ کی کتب کی بجائے شیعہ کی کتب سے حوالے پیش کردیے جائیں اور ان کتابوں کے حوالے دیے جائیں جو معتبر شیعہ علما کی لکھی ہوئی ہیں اور ان کے ہاں معتبر بھی ہیں۔

چنانچہ ابن طقطقی جن کا اصل نام صفی الدین محمد بن تاج الدین ہے اور یہ نامور شیعی مؤرخ اور نساب ہے، اپنی اُس کتاب میں لکھتا ہے جو اس نے عباسی ہاشمی سادات کرام کے قاتل ہلاکو خاں کے مشیر نصیر طوسی کے صاحبزادے اصیل الدین حسن کی نذر کی تھی۔

ذكر بنات أمير المومنين علي كرم الله وجهه

وأُمّ كلثوم أمها فاطمة بنت رسول الله تزوجها عمر بن الخطاب فولدت له زيدا ثم خلف عليها عبدالله بن جعفر (ص:۵۸)

''اور اُم کلثوم، ان کی ماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ تھی۔ ان سے عمر بن خطاب نے شادی کی تھی۔ چنانچہ اس نے ان کے بیٹے زید کو جنم دیا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر نے ان سے شادی کی۔''

اس سلسلے میں سید مہدی رجائی کا کلام بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اُنہوں نے اس کے متعلق بہت سے حوالے ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک تحقیق حضرت عمر بن علی بن حسین ہاشمی قریشی کی طرف نسبت کی وجہ سے عمری کہلانے والے علامہ ابوالحسن عمری کی ہے، وہ اپنی کتاب المجدي میں لکھتے ہیں:

وَالْمُعَوَّلُ عَلَيْهِ مِنْ هَذِهِ الرِّوَايَاتِ مَا رَأَيْنَاهُ آنِفًا مِنْ أَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ زَوَّجَهَا عُمَرَ بِرِضىٰ أَبِيْهَا عَلَيْهِ السَّلامِ وَإِذْنِهَا وَأَوْلَدَهَا عُمَرُ زَيْدًا ...... (إلى آخره)

''ان روایات میں سے معتمد بات جو ہم نے ابھی دیکھی ہے، وہ یہ کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے حضرت علیؓ کی رضامندی اور اجازت سے ان کی شادی حضرت عمرؓ سے کردی اور اس نے ان کے بیٹے زید کو جنم دیا۔''

محقق مہدی رجائی نے بہت سے دیگر اقوال بھی بیان کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عورت جس سے عمر فاروق نے شادی کی تھی وہ (نعوذ باللہ) شیطانہ تھی یا اس نے ان سے خلوت نہ کی تھی یا اس نے بزورِ طاقت شادی کر لی تھی۔ (الیٰ آخرہ)

ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ

''اس طرح مفید کا اصل واقعہ سے انکار بھی منقول ہے لیکن وہ اس چیز کے بیان کی غرض سے ہے کہ یہ واقعہ ان کے طرقِ اسناد سے ثابت نہیں، ورنہ جن روایات میں اس کا ذکر ہے اور عنقریب ان کی اسناد بھی بیان ہونے والی ہیں، ان سے ماننا پڑے گا کہ جب حضرت عمر فوت (شہید) ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام (اپنی لختِ جگر) اُم کلثوم کے پاس آئے اور انہیں لے کر اپنے گھر چلے گئے۔''

اس کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں جو میں نے بحار الأنوار میں بیان کی ہیں (لہٰذا اس واقعہ کا) انکار عجیب بات ہے۔ اس کا اصل جواب یہ ہے کہ یہ نکاح تقیہ اور مجبوری کے تحت ہوا تھا۔ الخ'' (مراۃ العقول: ج۲/ص۴۵)

میں کہتا ہوں کہ الکافي کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث درج ذیل باب میں موجود ہے:

بَابُ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا الْمَدْخُوْلُ بِهَا أَيْنَ تَعْتَدُّ وَمَا يَجِبُ عَلَيْهَا؟

حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ عَنِ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ سِنَان وَمُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ، قَالَ: سَأَلْتُهٗ عَنِ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا أَتَعْتَدُّ فِيْ بَيْتِهَا أَوْ حَيْثُ شَاءَ تْ؟ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَ تْ إِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ أَتٰی أُمَّ كَلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا إِلٰی بَيْتِهِ (الفروع من الکافی: ج۶/ص۱۵۵)

''باب اس مسئلہ کے متعلق کہ جس مدخول بہا عورت کا خاوند فوت ہوگیا ہو، وہ کہاں عدت گزارے اور اس پر کیا کچھ واجب ہے؟

حمید بن زیاد، ابن سماعہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ محمد بن زیاد سے اور وہ عبداللہ بن سنان اور معاویہ بن عمار سے اور وہ دونوں ابوعبداللہ علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے وہ عدت کے ایام اپنے گھر میں گزارے یا جہاں کہیں وہ چاہے؟ آپؑ نے فرمایا: بلکہ جہاں وہ چاہے، جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام، اُمّ کلثوم کے پاس آئے اور اسے لے کر اپنے گھر چلے گئے۔''

شیخ صالح بن عبداللہ درویش سیشن جج قطیف سیشن کورٹ سعودی عرب فرماتے ہیں

کہ میں نے بعض معاصر شیعہ علما سے اس شادی کے متعلق خط وکتابت کی تو اس کا سب سے شاندار جواب، محکمہ اوقاف ومواریث کے قاضی شیخ عبدالحمید الخطی نے لکھا، ان کے الفاظ یہ تھے:

وَأَمَّا تَزْوِيجُ الامَامِ عَلِيّ فَارِسِ الاسْلَامِ اِبْنَتَهُ أُمَّ كَلْثُوْمٍ فَلَا نُشَازُ فِيْهِ وَلَهٗ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَدْ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، وَمَا كَانَ أَبُوْ سُفْيَانَ بِمَنْزِلَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَمَا يُشَارُ حَوْلَ الزَّوَاجِ مِنْ غُبَارٍ فَلَا مُبَرِّرَ لَهٗ عَلَى الاِطْلَاقِ

''باقی رہا شہسوار اسلام حضرت امام علی المرتضیٰؓ کا حضرت عمر فاروقؓ سے اپنی لخت کی شادی کا معاملہ تو ہم اس سے نفرت نہیں کرتے اور آپ کے سامنے حضرت رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہے اور آپؐ تمام مسلمانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں اور آپ نے اُم حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا تھا اور ابوسفیان، حضرت عمر بن خطاب کے مرتبہ ومقام کا نہ تھا۔ اس نکاح کے سلسلے میں جو غبار اُڑایا جاتا ہے اس کا مطلق جواز نہیں ہے۔'' (دیکھئے: رحماء بینھم، مطبوعہ دار ابن جوزی)

لہٰذا بعض شیعہ صاحبان کا یہ کہنا کہ حضرت عمر بن خطاب نے یہ شادی زبردستی کی تھی یا یہ کہنا کہ جب ہم بستری کا وقت ہوتا تو ان کی جگہ ایک شیطانہ پیش ہوجاتی تھی یا یہ کہنا کہ وہ ان سے ہم بستری نہ کرسکے تھے۔ یہ بیک وقت ہنسا اور رُلا دینے والے اقوال ہیں اور اس قدر لامتناہی سوالات کو جنم دینے والے ہیں کہ اُن کا جواب نہیں بن پڑتا۔ مثلاً یہ کہ اگر انہوں نے ڈر کر یا مرعوب ہوکر اپنی صاحبزادی کا رشتہ دیا تھا تو

① شیرِ خدا کی شجاعت کہاں چلی گئی تھی؟
② اللہ کے دین اور اپنی آبرو کے معاملے میں ان کی غیرت کہاں چلی گئی؟
③ کیا انہیں اپنی اس بیٹی سے محبت نہ تھی؟
④ اگر تھی اور ضرور تھی تو پھر انہوں نے اسے (نعوذ باللہ) 'ظالم' کے سپرد کیوں کیا؟
⑤ جس خاندان کے شیر دل جوانانِ رعنا میدانِ کربلا میں کوفی دغابازوں پر شیروں کی طرح حملہ آور ہوکر شہادت قبول کر سکتے ہیں، کیا وہ اتنے بزدل ہوگئے تھے کہ حضرت عمر سے اپنی آبرو نہ بچا سکے۔

الغرض اس قدر لامتناہی سوالات پیدا ہوتے جائیں گے اور ان کے جواب نہ دیے جاسکیں گے یا پھر ہمیں ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اہل بیت کے ساتھ محبت واحترام کے رشتے کو مستحکم کرنے کے لئے شادی کی درخواست کی تھی جسے حضرت علی مرتضیٰ نے کھلے دل سے قبول فرمایا اور اس طرح آپ کی اہل بیت سے مصاہرت قائم ہوگئی اور رحماء بینھم کی صداقت آشکارا ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت کرامؓ اور اصحابؓ النبیؐ کے درمیان بالعموم اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر خلفاء النبیؐ کے خاندانوں کے درمیان بالخصوص رشتہ مصاہرت قائم تھا اور یہ رشتہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان کے درمیان اُلفت ومودّت موجود تھی اور وہ باہم شیر وشکر تھے اور ایسی کوئی بات نہ تھی جو ماتمی جلسوں اور جلوسوں میں بیان کی جاتی ہے۔

اگلے دو صفحات پر ازدواجی رشتہ داریوں کا ایک مختصر چارٹ بنایا گیا ہے، اس سے بھی اُن کے باہمی تعلقاتِ اُلفت پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ہاشمی گھرانے کی دیگر گھرانوں سے مصاہرت

ہاشمی گھرانہ	دیگر گھرانے	حوالہ جات
سید الاوّلین والآخرین حضرت محمد ﷺ	سیدہ عائشہ صدیقہؓ تیمیہ قرشیہ سیدہ حفصہؓ بنت عمر عدویہ قرشیہ اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان اُمویہ قرشیہ	تمام کتب حدیث وتاریخ وسیر میں اس کا تذکرہ موجود ہے
سیدنا علی مرتضیٰؓ بن ابی طالب	سیدہ امامہؓ بنت ابی العاصؓ اُمویہ قرشیہ	شیعہ اور اہل السنہ کی کتب میں اس کا تذکرہ موجود ہے
سیدنا عقیل بن ابی طالب	قریبہ بنت ابی سفیان امویہ	الإصابة في تمييز الصحابة جلد ۸
بیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم	کریز بن حبیب بن عبد شمس	تمام کتب سیر میں اسکا تذکرہ ہے
سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم (والدہ حضرت زبیرؓ)	حارث بن حرب بن اُمیہ پھر عوام بن خویلد اسدی قریشی	الشجرة النبوية فی نسب خیر البریہ (الاصابہ)
اُمّ الحسن بنت سیدنا علی مرتضیٰؓ	جعدہ بن ہبیرہ مخزومی ابن امّ ہانیؓ بنت ابی طالب	جمہرۃ انساب العرب از ابن حزمؒ
سیدہ فاطمہؒ بنت سیدنا حسینؓ بن علیؓ	سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عثمان اُموی	عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب طبقات شافعیہ ص ۴۸۳
سیدنا حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب	سیدہ ہند بنت ابی سفیان اُمویہ	الاصابہ: ج ۳/ص ۵۸ طبقات ابن سعد: ج ۵ ص ۱۵

سیدہ رقیہ واُم کلثوم دختران نبی کریم ﷺ	سیدنا عثمان بن عفان اُموی قرشی	'امیر المومنین' از محمد جواد تنقیح المقال ص ۶۳
سیدہ اُمّ کلثوم بنت علیؓ ◉	سیدنا عمر بن خطاب عدوی قریشی	کشف الغمہ، ابن طقطقی ص ۵۸ الفروع من الکافی ج ۶ ص ۱۵۵
سیدہ زینب بنت رسول اللہؐ	ابوالعاص بن ربیع اُموی	تمام کتب سیر میں اسکا تذکرہ ہے
سیدہ اُم الحسن بنت الحسن بن علی بن ابی طالب	سیدنا عبداللہ بن زبیر اسدی قریشی	منتہی الآمال از شیخ عباس قمی ص ۳۴۱، تراجم النساء ص ۳۴۶
سیدہ رقیہ بنت حسن بن علی بن ابی طالب	عمرو بن زبیر بن عوام اسدی قریشی	منتہی الآمال: ص ۳۴۲ وتراجم النساء: ص ۳۴۶
سیدنا حسین الاصغر بن سیدنا زین العابدینؒ	سیدہ خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر اسدی قریشی	تراجم النساء از محمد اعلمی حائری: ص ۳۶۱
سیدۃ سکینہ بنت حسینؓ بن علیؓ	سیدنا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان اُموی قریشی	نسب قریش للزبیری ج ۴ ص ۱۲۰ انساب العرب ج ۱ ص ۸۶
سیدنا حسینؓ بن علیؓ	لیلیٰ بنت مرۃ بنت میمونہ بنت ابی سفیان اُموی	حملة رسالة الاسلام الأولون
سیدہ لبابۃ بنت عبداللہ بن عباس ہاشمیہ قرشیہ	ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اموی قریشی	(انساب قریش)

◉ ان کے بیٹے سیدنا زید بن عمر فاروقؓ بڑے شہ زور اور طویل قامت نوجوان تھے۔ امام ذہبیؒ اور امام ابن عساکرؒ جیسے مؤرخین نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ وہ انصار مدینہ کے وفد کے ساتھ حضرت امیر معاویہ کے پاس دمشق تشریف لے گئے تو انھوں نے ان کو اپنے ساتھ پلنگ **اگلے صفحہ پر**

قارئین کرام! آپ ماشاء اللہ مسلمان ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ اسلام میں برتری کا معیار تقویٰ ہے اور مؤمن کے دل میں جس قدر تقویٰ ہوتا ہے، اتنا ہی وہ نسلی تعصب سے پاک ہوتا ہے۔ اہل بیت کرام چونکہ تمام مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ تھے، اس لئے انہوں نے حسب ونسب کی برتری کا بت توڑنے میں پہل کی اور حضرت زینبؓ بنت جحش قرشیہ کو حضرت زید بن حارثہؓ سے بیاہ دیا اور یہ اتنی بڑی قربانی تھی کہ عبدمناف کی اولاد بنوہاشم اور بنواُمیہ کی آپس میں شادیاں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں کیونکہ یہ دونوں خاندان ایک دادا کی اولاد ہیں اور یہ اسلام سے پہلے بھی زیادہ تر آپس میں ہی مصاہرت قائم کرتے تھے اور بعد میں بھی کرتے رہے۔ لہٰذا ان کا آپس میں رشتہ مصاہرت قائم کرنا نئی اور حیران کن بات نہیں بلکہ ان کے درمیان مثالی تعلقات کی دلیل ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ان کے متعلق اپنے سینوں کو صاف رکھیں اور کسی کے متعلق حقد اور کینہ نہ رکھیں اور دعا کرتے رہیں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالِايْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر:۱۰)

بقیہ: پر بٹھالیا اس وقت دربار خلافت میں گورنر یمن بسر بن أبی أرطاة فھری قریشی بھی موجود تھا اس نے سیدنا علی المرتضیٰ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے تو یہ اٹھے اور اسے چت گرا کر اسکے سینے پر چڑھ گئے اور کہا تجھے پتہ نہیں کہ میں دو خلفا (حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ) کا بیٹا ہوں اور کہا کہ تجھے امیر معاویہؓ کی موجودگی کی وجہ سے ایسا کہنے کی جرأت ہوئی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی صفائی دی اور بسر بن أبی أرطاة فھری قریشی کو قصوروار ٹھہرایا اور پھر ان کے درمیان صلح صفائی کرا دی۔ بعد ازاں وفد کے ہر رکن کو چار چار ہزار درہم دیئے اور ان کو ایک لاکھ درہم دے کر الوداع کیا۔

باب سوم

أهلُ السُّنَّه کے نزدیک اہل بیتؓ کا مرتبہ

اس بات کا عوام الناس اور خواص کو علم ہونا چاہیے کہ اہل السنہ جس طرح کتاب اللہ کے ساتھ مکمل وابستگی رکھتے ہیں اس طرح وہ عترتِ رسولؐ کے ساتھ بھی مکمل وابستگی رکھتے ہیں اور ان کی محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو ہم اہل بیت کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہیں پھر یہ بتائیں گے کہ ان سے مراد کون ہیں؟

'اہل بیت' کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

'لسان العرب' میں ہے: آلُ الرَّجُلِ أَهْلُهُ، وَآلُ اللهِ وَرَسُوْلِهِ: أَوْلِيَاءُ هُ وَأَصْلُهَا 'أَهْلٌ' ثُمَّ أُبْدِلَتِ الْهَاءُ هَمْزَةً فَصَارَ فِيْ التَّقْدِيْرِ 'أأل' فَلَمَّا تَوَالَتِ الْهَمْزَتَانِ أُبْدِلَتِ الثَّانية ألفا (ج١١/ص٣١)

"آل الرجل سے مراد اس کا اہل ہوتے ہیں اور آل اللہ ورسولہ سے ان کے اولیا مراد ہوتے ہیں۔ اصلاً یہ لفظ 'أهل' ہے اس کی ہا کو الف سے بدل کر 'أأل' بنایا گیا پھر دونوں ہمزے اکٹھے ہوگئے تو دوسرے کو الف سے بدل دیا گیا تو آل بن گیا۔"

البتہ یہ لفظ زیادہ تر معزز خاندانوں کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسے آلِ رسول، آلِ علی، آلِ عباس وغیرہ اور اس لئے آل الحائك نہیں کہا جاتا بلکہ أهل الحائك (جولاہے کے اہل وعیال) کہا جاتا ہے۔

دورِ جاہلیت میں جب 'اہل البیت' کہا جاتا تھا تو اس سے مراد بیت اللہ کے باشندے ہوتے تھے لیکن اسلام میں اس سے مراد، حضرت رسول ﷺ کی آل ہے۔

آلِ رسولؐ سے مراد

اہل علم میں اس مسئلہ پر اختلاف ہے کہ آلِ رسولؐ کون ہیں؟

بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس سے مراد آپ کی بیویاں ہیں، جیسا کہ قرآن کی نص اس بات پر دلالت کررہی ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ مراد ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہاشم کی ساری اولاد ہے جس پر صدقہ حرام ہے۔ چنانچہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں اہل بیت کے لفظ سے آپ کی بیویاں مراد ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَقَرْنَ فِیْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۞ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۲تا۳۴)

''اے نبیؐ کی بیویو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم نے تقویٰ اختیار کرنا ہے تو لوچ دار لہجے میں گفتگو نہ کرنا، ورنہ جس شخص کے دل میں کھوٹ ہے وہ (ناجائز) طمع کرے گا اور تم نے بھلائی کی بات کرنا ہے اور اپنے اپنے گھروں میں ٹھہری رہنا اور پہلی جاہلیت کا سا بناؤ سنگار نہ کرنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا، اللہ تعالیٰ تو تم اہل بیت سے دنائت دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پوری طرح (میل سے) پاک کرنا چاہتا ہے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے اسے یاد کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبر رکھنے

والا ہے۔''

اس آیت کے سیاق وسباق سے آفتاب نیم روز کی طرح آشکارا ہے کہ اس سے مراد حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات ہیں اور یہ جو یُطَهِّرَكُمْ میں نون مؤنث کی بجائے میم جمع آیا ہے تو یہ اس لئے کہ اس میں حضرت رسول کریم ﷺ بھی داخل ہیں اور آپ اہل بیت کے سربراہ اور رئیس ہیں اور عربی زبان کا اُصول ہے کہ مذکر ومؤنث کے اشتراک کے وقت صیغۂ مذکر بولا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی کے متعلق ہے:

﴿اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِاللهِ رَحْمَتُ اللهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ (ہود:۷۳)

''کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے، اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ تعریف کیا ہوا اور سراہا گیا ہے۔''

اس میں حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو بھی 'اہل بیت' کہا گیا ہے۔

⦿ اس طرح حضرت موسیٰ کے متعلق سورۃ قصص میں ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسٰى الاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ﴾ (آیت ۲۹)

''جب حضرت موسیٰ نے مدت پوری کر لی تو اپنے اہل کو لے کر چل پڑے۔''

چنانچہ اس سفر میں ان کی بیوی کے علاوہ اور کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کساء کے تحت اس میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں اور حدیث زید بن ارقمؓ کی رو سے اس میں وہ بنو ہاشم بھی داخل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ ہیں آلِ علیؓ، آلِ جعفرؓ، آلِ عقیلؓ، آلِ عباسؓ اور ایک روایت کے مطابق آلِ حارث بن عبدالمطلب بھی۔ رضوان اللہ علیہم أجمعین

شجرہ بنی عبد مناف بن قصی قریشی
مطلب
ہاشم
عبد شمس
نوفل
عبیدہ حارث
عبدالمطلب
امیہ حکم
مطعم بن عدی
حارث، زبیر، ابوطالب، عبداللہ، ابولہب، حمزہؓ، عباسؓ، مقوم، غیداق، ضرار
رسول اللہ
طالب، عقیلؓ، جعفرؓ، علیؓ
(داماد رسول)
حسنؓ، حسینؓ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، عباس
(ان سرداروں کو علوی ہاشمی سادات کہا جاتا ہے)
محمد
حسن
(شاہان مراکش کا جداعلی)
(شاہان شمالی افریقہ کا جداعلی)
فضلؓ، عبیداللہؓ، عبداللہؓ، قثمؓ، تمامؓ، عبدالرحمٰنؓ، حارثؓ، کثیرؓ، معبدؓ
علی
محمد
ابراہیم، عبداللہ السفاح، المنصور
(یہ خلفاء بغداد، عباسی ہاشمی سادات کہلاتے ہیں)
عنبسہ، عویص، عمرو، سفیان، عاص، أبو العیص، ابوالعاص، حرب، ابوسفیان، عیص
سعید
عاص
سعیدؓ (اکرم العرب)
عفان حکم
عثمانؓ مروانؓ
(داماد رسول)
حارث، عمرو، ابوسفیانؓ (صہر رسول)
حنظلہ، عنبسہؓ، عتبہؓ، یزیدؓ، معاویہؓ
عبدالملک
عبدالعزیز
عمر ثانی
محمد
مروان ثانی
ولید، سلیمان، ہشام، یزید
معاویہ
عبدالرحمٰن الداخل (صقر قریش)
(خلفاء دمشق وہسپانیہ امیہ بن عبد شمس کی اولاد تھے)

آلِ رسولؐ کے متعلق اہل السنہ کا عقیدہ

آلِ رسولؐ سے محبت کے مسئلہ کو علماے اہل سنت نے مسائل اعتقاد میں شامل کیا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے اور انہوں نے اس کی اہمیت پر مستقل رسائل تصنیف کئے ہیں، چنانچہ مسائل اعتقاد میں آپ کو اہل السنہ کی کوئی کتاب ایسی نہ ملے گی جس میں انہوں نے اس مسئلہ کی اہمیت بیان نہ کی ہو۔ چنانچہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر جامع اور مختصر رسالہ لکھا ہے اور اپنی کتاب العقیدة الواسطية میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنہ، اہل بیت سے محبت اور وابستگی رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسولِ ﷺ کی وصیت کو یاد رکھتے ہیں کیونکہ آپ نے غدیر خم کے روز فرمایا تھا:

«أُذَكِّرُكُمْ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِى ، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِىْ» (مسلم:۲۴۰۸)

''میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں، اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔''

اور جب آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے آپ سے بعض قریشیوں کی بنوہاشم سے سردمہری کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا:

«وَاللهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ امْرِئٍ إِيْمَانٌ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لله وَلِقَرَابَتِي»

(مسند احمد:۱/۲۰۸)

''اللہ کی قسم! کسی انسان میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ تم سے اللہ کی خاطر اور میری قرابت داری کی وجہ سے محبت نہ کرے۔''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِنَّ اللهَ اصْطَفٰى كَنَانَةَ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كَنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

''بے شک اللہ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے اولاد ہاشم کو چن لیا اور مجھے اولاد ہاشم سے چن لیا۔'' (رقم:۲۲۷۶)

چنانچہ اہل السنہ اس اعتبار سے دنیا وآخرت میں خوش نصیب انسان ہیں کہ وہ اہل بیت کرام سے دلی محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور ان کا کما حقہ احترام کرتے ہیں۔ وہ نہ تو رافضیوں کی طرح انہیں حد سے بڑھاتے ہیں، اور نہ ہی ناصبیوں کی طرح ان کا مرتبہ ومقام گھٹاتے ہیں، ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلِ بیت سے محبت رکھنا فرض ہے اور کسی طرح کے قول وفعل سے انہیں ایذا دینا حرام ہے۔ چنانچہ وہ ہر اذان کے بعد اور ہر خطبہ کی ابتدا اور انتہا اور ہر نماز کے تشہد میں حضرت رسول کریم ﷺ اور آپ کی آل پر دلی عقیدت سے درود پڑھتے ہیں بلکہ جب تک وہ درود نہ پڑھ لیں، تب تک اپنی عبادت کو مکمل نہیں سمجھتے اور ان کی کتبِ حدیث وسیر میں جتنا درود درج ہے اتنا کسی اور مکتبِ فکر کی کتابوں میں نظر نہ آئے گا۔ اور درود وسلام کی جتنی گونج اہل السنہ کے مدارس اور مساجد سے آتی ہے، اتنی کہیں اور جگہ سے نہ آئے گی۔

لیکن اس روشن حقیقت کے باوجود ایک مخصوص مکتبِ فکر، مخصوص مقاصد کی بنا پر حبِ اہل بیت کے لبادے میں ان کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ اہل السنہ، اہل بیت سے محبت نہیں کرتے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ عاشورا کے دن ماتم نہیں کرتے اور نہ ہی وہ نیازِ حسینؓ دیتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل

السنہ کی پوزیشن واضح کردی جائے اور بتا دیا جائے کہ اہل بیت کی محبت، اہل السنہ کا جزوِ ایمان ہے اور وہ فرمانِ نبویؐ کے پیش نظر ازروئے ایمان ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور جناب عبدالمطلب بن ہاشم کی ایمان قبول کرنے والی ساری اولاد اہل بیت میں شامل ہے۔ مثلاً حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ اور ان کی ساری اولاد، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کی ساری اولاد، حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور ان کی ساری اولاد، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ان کی ساری اولاد اور خصوصاً سیدین طاہرین کریمینؓ جو نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

اور اہل السنہ کو ان دونوں سے محبت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ بڑے سردار نے بڑے پن کا ثبوت دیتے ہوئے کمال حلم اور بردباری کا مظاہر کیا اور اپنے حق کی قربانی دے کر اپنے نانا کی اُمت کے خون کو بچایا اور دوسرے سردارؓ نے نیک نیتی سے قدم بڑھائے پھر نیک نیتی سے صلح کا ہاتھ بڑھایا، لیکن اپنے بدعہد کوفی ساتھیوں کے ہاتھوں مظلوم شہید ہوئے، ان کا ایمان ہے کہ سب شہدا کرام، اپنے عم محترم سیدنا حمزہ اور سیدنا جعفر بن ابی طالب اور دیگر شہدا کے ہمراہ اعلیٰ علیین میں عزت و احترام کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اس مختصر وضاحت کے بعد اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ بالترتیب حضرت علی المرتضیٰ اور ان کی اولاد کے مناقب بیان کرتے ہیں تاکہ ان ذاکرین کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کو زائل کیا جا سکے جو رات دن اہل السنہ پر گستاخی اہل بیت کا بہتان لگاتے ہیں۔

اول: امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ

چنانچہ اہل السنہ کے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت

کرتے ہیں کہ جنگِ خیبر کے دن اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

''کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص، اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں۔''

چنانچہ لوگ ساری رات بے چین رہے کہ پتہ نہیں کس (خوش نصیب) کو جھنڈا ملے گا۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ لوگ صبح سویرے حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس گئے اور ہر کوئی یہ اُمید لئے ہوئے تھا کہ جھنڈا اسے ہی ملے گا، چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

علیؓ بن ابی طالب کہاں ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: اللہ کے پیارے رسول ﷺ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہے، آپؐ نے فرمایا: اس کی طرف کسی کو بھیج کر بلا لاؤ۔ چنانچہ اُنہیں بلا لیا گیا تو آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعاب تھتکارا اور شفا کی دُعا کی، چنانچہ آپؓ اس طرح شفایاب ہوئے کہ گویا آپ کو سرے سے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ آپؐ نے اُنہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! میں ان سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ ہمارے جیسے نہ ہو جائیں؟

آپؐ نے فرمایا:

''سکون و اطمینان سے جاؤ اور جب ان کے میدان میں پہنچو تو انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اور انہیں اللہ کے اس حق کی خبر دو جو اس نے ان پر واجب کیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تیرے ذریعے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں (کے مالِ غنیمت) سے بہتر ہے۔'' (بخاری:۲۹۴۲، مسلم:۲۴۰۶)

اہل السنہ کے ائمہ دین کی روایت کردہ اس حدیث میں امیر المومنین کی فضیلت اور منقبت آفتابِ نیمروز سے بھی زیادہ آشکارا ہے، کیونکہ اس میں اس بات کی شہادت کا ذکر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے پیارے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کا پیارا رسولؐ ان سے محبت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اُنہوں نے بیسیوں احادیث اور بھی روایت کی ہیں، لیکن ہم نے اختصار کی غرض سے فضائل ومناقب کے گلستان سے ایک پھول پیش کیا ہے۔

دوم: سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ

امام اہل السنہ حضرت محمد بن اسمٰعیل المعروف امام البخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی فضیلت میں 'باب مناقبِ فاطمہؓ' قائم کرکے حضرت رسول کریم ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

«فاطمة سيدة نساء أهل الجنة» ''فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔''

(کتاب المناقب؛ باب مناقب قربة رسول الله ومنقبة فاطمة بنت النبي ﷺ 'تعليقا')

سوم: سیدنا حسن اور سیدنا حسینؓ

اہل السنہ کے امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ اپنی جامع صحیح میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو دیکھ کر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا» (رقم:٣٧٨٢)

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تو بھی ان دونوں سے محبت فرما۔''

اسی طرح امام اہل السنہ احمد بن حنبلؒ اپنے مسند میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابَ أَهْلِ الْجَنَّةِ» (رقم:۳/۳۰)

''حسن وحسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

ان دونوں حدیثوں سے تین فضیلتیں آشکارا ہوئیں، **ایک** تو یہ کہ وہ جنتی ہیں، **دوم** یہ کہ وہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، **تیسری** یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان سے محبت کرتے ہیں، اور اُمت کا ان سے محبت کرنا، حضرت رسولِ کریم ﷺ سے محبت کرنا ہے۔

چہارم: سیدنا علی بن حسین زین العابدینؒ

ان کے متعلق امام اہل السنہ یحیٰی بن سعید فرماتے ہیں:

هُوَ أَفْضَلُ هَاشَمِيّ رَأَيْتُهُ فِي الْمَدِيْنَةِ يَقُوْلُ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ! أَحِبُّوْنَا حُبَّ الإِسْلَامِ وَلَا تُحِبُّوْنَا حُبَّ الأَصْنَامِ فَمَا بَرِحَ بِنَا حُبُّكُمْ حَتّٰى صَارَ عَارًا عَلَيْنَا (طبقات ابن سعد:۲۱۴/۵)

''آپ ہاشمی خانوادے کے ممتاز چشم و چراغ ہیں، میں نے اُنہیں مدینہ میں دیکھا آپ فرما رہے تھے: اے اہل عراق! تم ہم سے اسلام کی تعلیمات کے تحت محبت رکھو، اصنام کی طرح پرستش سے باز رہو، تمہاری محبت ہم پر بدنما داغ بن گئی ہے۔''

اہل السنہ کے امام محمد بن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں:

لَمْ أَرَ هَاشِمِيًّا أَفْضَلُ مِنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (صفوۃ:۹۹/۲)

''میں نے حضرت علی بن حسین سے افضل کسی ہاشمی کو نہ پایا۔''

امام محمد بن سعدؒ فرماتے ہیں:

''كَانَ ثِقَةً مَأْمُوْنًا كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ عَالِيًا رَفِيْعًا وَرِعًا''

(تہذیب الکمال وابن سعد:۲۱۴/۵،ص ۲۳۷)

''آپ ثقہ، معتمد اور کثیر الحدیث تھے اور بڑے نفیس، متقی اور عالی مرتبہ انسان تھے۔''

پنجم: امام محمد بن علی بن حسینؒ المعروف 'امام باقر'

ان کے متعلق اہل السنہ کے امام محمد بن سعدؒ فرماتے ہیں:

"كان ثقةً كثيرَ الحديث" (تہذیب الکمال:۶/۴۴۲)

''آپ ثقہ تھے اور کثیر الحدیث بزرگ تھے۔''

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"كَانَ أَحَدُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَالسُّؤْدَدِ وَالشَّرَفِ وَالثِّقَةِ وَالرِّزَانَةِ وَكَانَ أَهْلًا لِلْخِلَافَةِ وَلَقَدْ كَانَ إِمَامًا مُجْتَهِدًا تَالِيًا لِكِتَابِ اللهِ" (سیر اعلام النبلاء:۴/۴۰۳)

''آپ ان ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے علم وعمل، سیادت وشرافت، ثقاہت اور رزانت کو جمع کیا ہوا تھا اور آپ خلافت کے اہل تھے۔ آپ عظیم امام، مجتہد اور کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے تھے۔''

امام ذہبیؒ کے بقول حفاظ نے ان کے اقوال کو حجت تسلیم کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

ششم: امام جعفر بن محمد ہاشمیؒ المعروف 'الصادق'

ان کے متعلق امام اہل السنہ ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"مَا رَأَيْتُ أَفْقَهَ مِنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ" (تہذیب الکمال:۱/۴۷۰)

''میں نے امام جعفر بن محمد الصادق سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔''

امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: "ثقة لايسأل عن مثله" (تہذیب الکمال:۱/۴۷۰)

''آپ ثقہ ہیں، آپ جیسے آدمی کے متعلق پوچھا نہیں جاسکتا۔''

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

”جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الشَّهِيْدِ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ رَيْحَانَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَسِبْطِهِ وَمَحْبُوْبِهِ الْحُسَيْنِ بْنِ أَمِيْرِ الْمُؤمِنِيْنَ أَبِي الْحَسَنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ عَبْدِ مُنَافِ بْنِ شَيْبَةَ وَهُوَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ ابْنِ هَاشِمٍ، وَاسْمُهُ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ...... اَلإِمَامُ الصَّادِقُ شَيْخُ بَنِي هَاشِمٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقُرَشِيِّ الْهَاشَمِيِّ (سیر اعلام النبلاء:۱/۴۰۴)

”حضرت امام جعفر بن محمد بن علی (زین العابدین) بن سبط رسول وریحانۃ النبی ومحبوب سید المرسلین ابوعبد اللہ الشہید بن امیر المؤمنین ابو الحسن علی بن ابی طالب عبد مناف بن شبیہ جسے عبد المطلب بن ہاشم کہا جاتا ہے اور اسی کا نام عمرو بن عبد مناف بن قصی تھا۔ آپ صادق امام اور بنی ہاشم کے شیخ اور اعلام میں سے ایک عَلَم ہیں، کنیت ابوعبد اللہ قرشی ہاشمی ہے۔“

ہفتم: امام موسیٰ بن جعفر بن محمد ہاشمی المعروف ’کاظم‘

ان کے متعلق امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں:

”ثِقَةٌ صُدُوْقٌ اِمَامٌ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ“

(تہذیب الکمال:۷/۲۵۴، سیر اعلام النبلاء:۶/۲۷۰)

”آپ ثقہ اور صدوق تھے اور ائمۃ المسلمین میں سے ایک امام تھے۔“

یحییٰ بن الحسن بن عبید اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مُوْسَى بْنُ جَعْفَرٍ يُدْعَى الْعَبْدُ الصَّالِحُ مِنْ عِبَادَتِهِ وَاجْتِهَادِهِ

(سیر اعلام النبلاء:۶/۲۷۱)

”امام موسی (کاظم) بن جعفر کثرت عبادت کی وجہ سے عبد صالح کے نام سے پکارے جاتے تھے۔“

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

”كَانَ مُوْسٰى مِنْ أَجْوَادِ الْحُكَمَاءِ وَمِنَ الْعِبَادِ الأَتْقِيَاءِ“

(میزان الاعتدال:۴/۲۰۲)

”موسیٰ الکاظمؒ دانش مند سخیوں اور متقی عبادت گزاروں میں سے تھے۔“

ھشتم: امام علی بن موسیٰؒ المعروف ’الرضا‘

ان کے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

”كَانَ مِنَ الْعِلْمِ وَالدِّيْنِ وَالسُّؤدَدِ بِمَكَان“ (سیر اعلام النبلاء:۹/۳۸۷)

”آپ علم، دین اور سیادت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔“

نھم: امام محمد بن علی المعروف ’الجواد‘

”كَانَ يُعَدُّ مِنْ أَعْيَانِ بَنِي هَاشِمٍ وَهُوَ مَعْرُوْفٌ بِالسَّخَاءِ وَالسُّؤدَدِ“

”بنو ہاشم کے سربرآوردہ اشخاص میں سے تھے اور سخاوت وسرداری میں مشہور تھے۔“

خطیب بغدادیؒ اہل السنہ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ تمام ازواجِ مطہراتؓ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اور جوان پاک دامنوں کو یا ان میں چند ایک کو کافر قرار دے، اُسے کافر کہتے ہیں اور وہ حضرت حسنؓ اور حسین اور مشہور اسباطِ رسولﷺ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں، مثلاً حضرت عبداللہ بن حسنؓ، حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین)، حضرت محمدؒ بن علی بن حسین (الباقر)، حضرت جعفرؒ بن محمد (الصادق)، حضرت موسیٰ بن جعفرؒ (الکاظم)، حضرت علیؒ بن موسیٰ (الرضا) اور اسی طرح امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی ساری اولاد جیسے حضرت عباسؒ بن علی، حضرت عمرؒ بن علی، حضرت محمدؒ بن علی (ابن الحنفیہ) اور انہی جیسے عقیدہ وعمل رکھنے والے دیگر اہل بیت کرام۔

امام اسفرائینیؒ اہل السنہ کا منہج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس اُمت کے اسلاف کرام کے متعلق ناروا بات کہنے اور عیب جوئی کرنے سے محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ مہاجرین و انصار اور دیگر سردارانِ اسلام کے حق میں کلمہ خیر کے سوا کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی وہ اہل بدر و اُحد اور اہل بیت رضوان کے بارے میں کوئی غلط رائے رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ ان تمام صحابہ کو بُرا کہتے ہیں جن کے متعلق حضرت رسولِ کریم ﷺ نے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے اور نہ ہی وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور اصحاب اور اولاد و احفاد (نواسوں) کے متعلق نامناسب بات کہنے اور سننے کو تیار ہیں، جیسے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ان کی اولاد میں سے مشہور اعلام، جیسے حضرت عبداللہؒ بن حسنؓ، حضرت علیؒ بن حسینؓ، حضرت محمدؒ بن علیؒ بن حسینؓ، حضرت جعفرؒ بن محمدؒ بن علیؓ، حضرت موسیٰ بن جعفرؒ اور علیؒ بن موسیٰ (الرضا) اور دیگر اہل بیتِ کرام جو بغیر کسی طرح کے تغیر وتبدل، دین حقہ پر گامزن رہے اور نہ ہی وہ خلفاے راشدین میں سے کسی کے متعلق تنقید برداشت کرتے ہیں اور اس طرح وہ ان مشہور تابعین اور تبع تابعین رحمھم الله علیھم أجمعین پر تنقید کرنا جائز نہیں سمجھتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بدعات اور منکرات میں ملوث ہونے سے بچایا ہے۔ یہ ہے اہل بیت رسول ﷺ کے متعلق، اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ۔ اور جو شخص اس سلسلے میں مزید آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے، اسے اہل السنہ کی مرتب کردہ کتبِ حدیث وسیرت اور سوانح کا مطالعہ کرنا چاہئے، ان شاء اللہ اس پر یہ حقیقت آشکارا ہوجائے گی کہ اہل السنہ سے بڑھ کر اہل بیتِ رسول ﷺ کا قدر دان اور کوئی نہ ہوگا۔''

باب چہارم

اُمتِ مسلمہ پر آلِ رسولؐ کے حقوق

پہلا حق: محبت اور وابستگی

قارئین کرام! دنیا میں محبت کی بہت سی وجوہات ہیں، مثلاً ہم وطن ہونا، ہم جماعت ہونا، ہم پیشہ ہونا اور ہم قوم ہونا وغیرہ وغیرہ لیکن ان وجوہات کی بنا پر کسی سے محبت کرنا، فرض ہے نہ واجب! ...... جبکہ ایمان کی وجہ سے مؤمن بھائیوں اور بہنوں سے محبت کرنا فرض ہے۔قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ﴾ (التوبہ:۷۱)

''اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں باہم ایک دوسرے کے غمگسار اور ہمدرد ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔''

اور حدیثِ نبویؐ میں ہے:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ» (صحیح بخاری:۲۴۴۲)

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس کی حق تلفی کرتا ہے اور نہ اسے کسی مصیبت میں گرفتار کراسکتا ہے۔''

یہ اُخوت ومحبت تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اور اس میں آلِ رسول بھی شامل ہیں، لیکن ایک محبت وتوقیر وہ ہے جو حضرت رسولِ مقبول ﷺ کے لئے خاص ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ (الفتح:۹)

''اے نبیؐ! ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور (اس کے رسول کا) ساتھ دو اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو۔''

اور حضرت رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ» (صحیح بخاری:۱۵)

''تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین اور بچوں اور تمام لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں۔''

اور جس طرح حضرت رسولِ کریم ﷺ سے محبت رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اسی طرح آپ کے اہل بیت سے محبت کرنا بھی فرض ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُحِبُّوْكُمْ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِيْ»

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک وہ تم سے اللہ کی خاطر اور میری قرابت داری کی خاطر محبت نہ کریں۔'' (رأس الحسین:۱/۲۰۱)

مذکورہ آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت، منفرد اور خصوصی محبت کے حقدار ہیں۔

دوسرا حق: ان پر درود وسلام بھیجنا

امام ابن قیم جوزیہ دمشقیؒ جلاء الإفهام میں بیان کرتے ہیں کہ اس بات پر ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ درود اہل بیت کا خاص حق ہے اور اس حق میں اُمت شامل نہیں ہے۔ اور وہ درود جس کے بغیر اہل حدیث کے ہاں کسی آدمی کی نماز مکمل نہیں ہوتی، اس میں آلِ ابراہیمؑ کی طرح آلِ محمدؐ کا بھی بار بار تذکرہ آیا ہے، چنانچہ امام مسلمؒ اپنی صحیح میں حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت سعد بن عبادہؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ حضرت بشر بن سعد نے آپؐ سے پوچھا کہ

''اے اللہ کے پیارے رسولؐ! اللہ نے ہمیں آپؐ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہم آپؐ پر کس طرح درود پڑھیں؟ آپؐ خاموش ہوگئے اور اتنی دیر خاموش رہے کہ ہم خواہش کرنے لگے کہ کاش اس نے سوال نہ کیا ہوتا، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: تم کہا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ * اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اور سلام اس طرح ہے جس طرح تم جانتے ہو۔'' (مسلم: ۴۰۵)

یاد رہے کہ بنو ہاشم میں سے صرف وہی افراد آپ کے اہل بیت میں داخل ہیں جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے عقیدہ وعمل کو شرک اور اس کے ذرائع سے پاک رکھا، ورنہ دنیا جانتی ہے کہ ابولہب خالص ہاشمی قریشی تھا اور آپ کا سگا چچا تھا اور زانی وشرابی بھی نہ تھا، اس کے باوجود وہ اہل بیت میں داخل

نہ ہوسکا۔ تو بدعمل اور مجہول النسب پیر و پروہت کس طرح اہل بیت میں داخل ہوسکتے ہیں جن کے اعمال میں نیکی اور اتباع سنت کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔

تیسرا حق: خمس

مغنی ابن قدامہؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے رسالہ حقوق أهل بيت میں جمہور علماے اُمت کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ بہت سی احادیثِ مبارکہ اور قرآنی آیت کی رُو سے خُمس اہل بیت کا حق ہے اور وہ آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ثابت ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال:۴۱)

''اور جان لو! جو چیز تم کو غنیمت میں ملے، اس میں پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسولؐ کے لئے بھی اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے بھی۔''

ان کے علاوہ بھی اہل بیت کے بہت سے حقوق ہیں لیکن ہم پھر گزارش کرتے ہیں کہ ان کے مستحق وہی ہیں جن کا اسلام اور نسب صحیح ہو (یہ شرط نہایت اہم ہے) اور ان کے اعمال سنتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوں اور وہ اصحابؓ رسول کے لیے ان الفاظ سے دعا کرتے ہوں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وِلِاخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

چنانچہ صحیح بخاری میں آپؐ کا ارشاد ہے:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللهِ لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةَ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللهِ! لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ سَلِيْنِيْ مِنْ مَالِيْ مَا شِئْتِ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا»

''اے گروہِ قریش! اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو، میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کا م نہ آ سکوں گا۔ اے فاطمہؓ بنتِ محمدؐ! میرے مال سے جو کچھ مانگنا چاہتی ہے، مانگ لے۔ میں اللہ کے ہاں تجھے کفایت نہیں کروں گا۔'' (رقم:۲۷۵۳)

کنز العمال میں بحوالہ طبرانی موجود ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«إن أهل بيتي هؤلاء يرون أنهم أولى الناس بي وليس كذلك إن أوليائي منكم المتقون من كانوا وحيث كانوا» (۵۶۵۷)

''میرے یہ اہل بیت سمجھتے ہیں کہ وہ سب لوگوں سے بڑھ کر میرے حق دار ہیں لیکن بات یوں نہیں ہے، بلکہ میرے حق دار تو متقی لوگ ہیں، وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی رہتے ہوں۔''

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

''(اے گروہِ قریش) تم میں سے میرے حق دار وہ ہیں جو متقی ہیں، اگر تم متقی ہوئے تو فبہا ورنہ دیکھ لو، قیامت کے دن لوگ اعمال لے کر آئے اور تم میرے پاس (دنیا اور گناہوں کا) بوجھ لے کر آئے تو تم سے منہ پھیر لیا جائے گا۔''

(كنز العمّال:۵۶۵۸،۵۶۵۹)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

لعمرك ما الا نسان إلا بدينه فلا تترك التقویٰ اتكالا على النسب

لقد رفع الاسلام سلمان فارس وقد وضع الشرك النسيب أبا لهب

(جامع العلوم والحکم)

”تیری عمر کی قسم! انسان جو کچھ ہے وہ اپنے دین کی وجہ سے ہی ہے لہٰذا نسب پر بھروسہ کر کے تقویٰ کو ہاتھ سے گنوا نہ بیٹھنا۔ دیکھئے! اسلام نے فارس کے سلمانؓ کو بلند کر دیا ہے اور شرک نے ابولہب کو بلند نسب ہونے کے باوجود ذلیل وخوار کر دیا ہے۔“

ناصبی کون ہیں؟
اور ان کے متعلق اہل السنہ کا موقف

بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ یہ بھی بتا دیا جائے کہ ناصبی کون ہیں؟ کیونکہ اہل بیت کرام سے محبت کے مدعی گروہ اُمت مسلمہ میں فساد ڈالنے کی غرض سے أهل السنة کو ناصبی کہتے ہیں اور اس بات کا چرچا کرتے ہیں کہ (العیاذ باللہ) سنی حضرات اہل بیت کرامؓ سے عداوت رکھتے ہیں۔

اس بھیانک الزام اور صریح بہتان کی حقیقت فاش کرنے کے لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ نواصب (بروزن روافض) کا تعارف کرا دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ اہل السنہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ نصب کا لغوی معنی کسی چیز کو کھڑا کرنا اور اسے بلند کرنا ہے اور اسی سے ناصبة الشر والحرب کا جملہ وجود میں آیا ہے۔

قاموس میں ہے: النواصب والناصبة وأهل النصب (مادہ: ن ص ب)
اس سے مراد، حضرت علی المرتضیٰؓ سے بغض رکھنے والے متدین لوگ ہیں کیونکہ اُنہوں نے آپ سے عداوت کھڑی کی۔ یہ ہے ناصبیوں کے نام کی اصل وجہ۔ چنانچہ جو انسان حضرت علیؓ اور آپ کے گھرانے سے بغض اور دشمنی رکھے گا، وہ نواصب سے ہوگا، جس طرح صحابہ کرامؓ سے بغض اور دشمنی رکھنے والا روافض میں شامل ہوتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اہل بیتؓ سے خار اور دشمنی رکھنے والے کون ہیں؟

جنگِ جمل میں امیرالمومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ کے خلاف لڑنے والے صحابہ کرامؓ کو ناصبی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ سے لڑنے نہیں آئے بلکہ وہ ان منافقوں سے لڑنے سے آئے تھے جنہوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کر کے حضرت علیؓ کی بیعت کرلی تھی۔

اور جنگِ صفین میں آپؓ سے لڑائی کرنے والوں کو ناصبی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضرت علیؓ کے خلاف تھے نہ اہل بیت کے۔ وہ تو حضرت عثمانؓ کے قصاص کے دعویدار تھے اور کہتے تھے کہ اگر عثمان کے قاتلوں سے قصاص لے لیا جائے یا انہیں مقتول خلیفہ کے ورثا کے حوالے کردیا جائے تو وہ امیرالمومنین کی بیعت کرلیں گے لیکن بارگاہِ خلافت کی اپنی مجبوریاں تھیں اور وہ درست بھی تھیں، اس لئے آپ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لے سکتے تھے، نہ انہیں اہل شام کے حوالے کرسکتے تھے۔ آپ برحق خلیفہ تھے، لیکن قاتلین عثمانؓ کے سامنے بے بس تھے اور بالآخر آپؓ ان لعینوں کے ہاتھوں شہید بھی ہوگئے۔ اور جب عظیم المرتبت ہستیؓ نے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی غرض سے عظیم ترین قربانی دے دی تو حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی حسبِ سابق خاندانِ نبوت سے حسن سلوک کرنے لگے اور انہیں سر آنکھوں پر بٹھانے لگے۔

اور خارجیوں کو اس لئے ناصبی نہیں کہا جائے گا جبکہ وہ تو شیعانِ علیؓ اور شیعانِ معاویہؓ دونوں کے خلاف تھے اور انہوں نے دونوں سے نفرت کی بنا پر ایک ہی رات میں دونوں بلکہ تینوں پر حملہ کردیا تھا۔

'نواصب' کون ہیں؟

تاریخ کے گہرے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نواصب سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو (العیاذ باللہ) فاسق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی خلافت میں کفار سے جہاد نہیں کیا بلکہ وہ جنگِ جمل اور جنگ صفین میں اپنے مسلمان بھائیوں کے گلے کٹواتے رہے۔

یہ بدبخت، حضرت امیرالمومنین کی نیت پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے اور انہیں ہر خرابی کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔ اس طرح یہ بدبخت، سیدنا حسینؓ اور ان کے رفقا کو مظلوم شہید بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حاکم وقت کے خلاف چڑھائی کی تھی اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارا پارا کرنے کی جسارت کی تھی اور کہتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ہے کہ جو کوئی انسان اس حال میں تمہارے پاس آئے کہ تمہاری امارت ایک شخص کے سپرد ہو چکی ہو اور وہ تمہاری جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کردو، خواہ وہ انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ لوگ بے انصافی کی حد تک بنواُمیہ اور بنوعباس کے حامی ہیں اور اپنا جھکاؤ انہیں کی جانب کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ لوگ حضرت معاویہؓ بن یزید اُموی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی کے اقدامات پر بھی تنقید کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں بزرگوں کی اہل تشیع بھی تعریف کرتے ہیں۔

جبکہ اہل السنہ والجماعہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق اور عشر مبشرہ کا چوتھا خوش نصیب صحابی قرار دیتے ہیں اور ان کے خلاف جنگ لڑنے والوں کو خطا کار یا باغی

قرار دیتے ہیں لیکن اُنہیں کافر قرار نہیں دیتے اور نہ ہی حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ اُنہیں کافر قرار دیتے تھے بلکہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی تھی۔اسی طرح اہل سنت سیدنا حسینؓ اور ان کے رفقا کرام کو مظلوم شہید قرار دیتے ہیں اور ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور ان کے قاتلین پر غیر معین لعنت کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل السنہ کے سرخیل حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے چنگیزی گورنر نے پوچھا کہ تمہارا یزید کے متعلق کیا خیال ہے؟

میں نے کہا: نہ ہم اس سے محبت رکھتے ہیں اور نہ ہی اُسے گالی دیتے ہیں کیونکہ وہ کوئی اتنا نیک نہیں تھا کہ ہم پر اس سے محبت رکھنی واجب ہوتی اور ہم کسی مسلمان کو نام لے کر گالی بھی نہیں دیتے۔

اس نے کہا: کیا تم اس پر لعنت نہیں کرتے؟ کیا وہ ظالم نہیں تھا؟ کیا اس نے حضرت حسینؓ کو قتل نہیں کیا تھا؟

میں نے جواب دیا: جب ہمارے سامنے حجاج اور اس طرح کے دیگر ظالموں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہم ایسے ہی کہتے ہیں، جیسے قرآن میں ہے:

﴿أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (ہود:۱۸)

اور ہم نام لے کر کسی پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے البتہ جس (بدبخت) نے سیدنا حسینؓ کو قتل کیا یا جس نے ان کے قتل پر معاونت کی، یا وہ ان کے قتل پر خوش ہوا تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرض اور نفل کو قبول نہ فرمائے۔

اس نے کہا: کیا تم اہل بیت سے محبت نہیں کرتے؟

میں نے کہا: اہل بیت سے محبت رکھنا ہم پر فرض ہے اور اس محبت پر اجر بھی دیا جائے گا، کیونکہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

«أذكركم الله في أهل بيتي» (رقم:۲۴۰۸)

''میں تمہیں اپنے اہل بیت کے سلسلے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔''

اور ہم نمازوں میں ہر روز آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر درود پڑھتے ہیں۔

اُس نے کہا: جو کوئی اہل بیت سے بغض رکھے تو؟

میں نے جواب دیا: ان سے بغض رکھنے والے پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ اس کے فرض اور نفل کبھی قبول نہ کرے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ص۴۸۸)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس گورنر کے مغل وزیر سے پوچھا کہ اس چنگیز زادے کو یزید کے متعلق پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس نے جواب دیا کہ اسے کسی (رافضی) نے کہا تھا کہ دمشق والے ناصبی ہیں تو میں نے بآوازِ بلند کہا: جنھوں نے یہ افواہ اُڑائی کہ دمشق والے ناصبی ہیں، وہ جھوٹے ہیں اور ان پر بھی اللہ کی لعنت، واللہ اب یہاں کوئی ناصبی نہیں ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد بھلا کسی ذاکر یا خطیب کو زیب دیتا ہے کہ وہ اہل السنہ پر ناصبیت کا الزام لگائے اور اُمتِ مسلمہ میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائے؟!

ایک سوال کا جواب

قارئین کرام! سابقہ گزارشات کے مطالعے سے جہاں آپ کے دلوں میں صحابہ کرام کی محبت کی آبشاریں رواں ہوئی ہوں گی، وہاں آپ کے دلوں میں ایک سوال بھی پیدا ہوا ہوگا کہ اگر صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ عظام بموجب نصوصِ قرآن بھائی بھائی تھے تو ان کے درمیان جنگیں کیوں ہوئیں؟ خصوصاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین جن میں دونوں طرف یا اکثر حضرت علی مرتضیٰ کی طرف صحابہ کرامؓ ہی تھے۔

اگرچہ اس سوال کا جواب، تمہید اور تفصیل کا متقاضی ہے اور اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے تاہم اختصار کے ساتھ اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

جس طرح کہ تندرست آدمی کا بیمار ہونا اور دولت مند کا نادار ہونا ممکن ہے، اس طرح بھائیوں کا آپس میں لڑ پڑنا بھی ممکن ہے، لیکن بھائیوں کی آپس میں لڑائیاں ہمیشہ نہیں رہتیں بلکہ جس طرح بیمار آدمی کا بخار اُتر جاتا ہے اس طرح بھائیوں کی آپس میں شکر رنجی بھی دور ہوجاتی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ ایک باپ یا ایک دادے کی اولاد ہوتے ہیں اور ان کے مصالحتی کمیشن انہیں اس بات کا حوالے دے کر ان کی صلح کرواتے ہیں۔ اس طرح بنو ہاشم اور بنو اُمیہ ایک دادے عبدِ مناف بن قُصّی کی اولاد تھے اور پھر وہ ایک اللہ، ایک نبی اور ایک قرآن پر ایمان لے آئے اور باہم مل کر اللہ

کے دین کی خاطر قربانیاں دیتے رہے۔ جنگِ بدر اور جنگ اُحد اور جنگِ خیبر میں ہاشمی خاندان پیش پیش تھا تو جہادِ شام اور قسطنطنیہ میں اُموی خاندان پیش پیش تھا۔ اہل ایمان کی اسی طرح کی کامیابیوں پر ملعون یہودی دانت پیس رہے تھے لیکن ان میں سامنے آ کر مقابلے کی ہمت نہ تھی، اس لئے اُنھوں نے مؤمنین کے صحت مند جسم میں ایک زہریلا جرثومہ عبداللہ بن سبا نامی یہودی داخل کر دیا جو بظاہر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوگیا اور اسلام میں یہودیت پھیلانے لگا کہ جس طرح یہودیت میں امامت، آل داؤد کا حق ہے، اس طرح اسلام میں بھی امامت ،علیؓ اور آلِ علیؓ کا حق ہے اور اس نے لوگوں کو خلیفہ راشد سیدنا عثمان ذوالنورینؓ سے برگشتہ کرنے کے لئے اس کے گورنروں کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا اس انداز سے پھیلایا کہ کوفیوں اور مصریوں کے چند جھتے گمراہ ہوگئے اور اُنہوں نے خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کر دی اور اُنہیں بے رحم طریقے سے شہید کر دیا اور ان کی شہادت سے یہودی ملعون کی آرزو پوری اور فتنہ کا بند دروازہ کھل گیا۔

قاتلانِ عثمان ذوالنورین نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو بیعتِ خلافت لینے پر مجبور کر دیا، ہر چند کہ آپ ہی اس وقت دنیا کی افضل شخصیت تھے اور خلافت کے حق دار تھے اور متعدد صحابہ کرامؓ نے آپ کی بیعت بھی کر لی تھی لیکن چونکہ شہید مظلوم کے قاتلان آپ کی بیعت میں پیش پیش تھے، اس لئے آپ کی بیعت متنازعہ بن گئی اور چند صحابہؓ نے آپ کی بیعت نہ کی، البتہ بیعت کرنے اور نہ کرنے والے اس نکتے پر متفق تھے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو ناحق قتل کیا گیا ہے اور اس کا قصاص لینا واجب ہے اور

حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقتول خلیفہ کا قصاص لے اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اس مطالبے سے متفق تھے لیکن وہ مناسب وقت کی شرط لگاتے تھے کیونکہ قاتلوں کے قبیلے طاقتور تھے اور وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی دسترس سے باہر تھے۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے نمائندوں کو قاتلین خلیفہ مظلوم کے متعلق اپنے عزم سے آگاہ کیا تو اُنہوں نے آپ کی وضاحت کو تسلیم کرلیا اور صلح کرلی لیکن خلیفہ مظلوم کے قاتلوں نے رات کی تاریکی میں خونی چھاپہ مارکر جنگِ جمل برپا کردی اور بشمول سیدنا طلحہؓ وزبیرؓ ہزاروں مسلمانوں کو شہید کردیا۔

حضرت امیر معاویہؓ جو کہ شہید خلیفہ کے چچا زاد اور ان کے شرعی وارث تھے، وہ بھی قصاص کا مطالبہ کرنے والوں میں شامل تھے لیکن خون خرابے کو پسند نہ کرتے تھے، اس لئے وہ اس جنگ میں شامل نہ ہوئے اور نہ ہی اُنہوں نے جنگ میں اپنی افواج داخل کیں لیکن جب امیرالمومنین حضرت علیؓ نے ایک واجب فریضہ (بیعت) کی ادائیگی کے لئے حضرت معاویہؓ پر لشکر کشی کی تو مجبوراً اُنہیں بھی تاویلاً دفاع کے لئے نکلنا پڑا اور پھر جو ہوا سو ہوا۔

حضرت امیر معاویہؓ نہ تو خلافت کے دعویدار تھے اور نہ خلیفہ کی حیثیت سے صفین میں لڑے تھے اور نہ اُنہوں نے جنگ میں پہل کی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مظلوم خلیفہ راشد کے قاتلین حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کرکے ان پر حاوی ہوگئے ہیں اور ان کے پاس شوکت اور قوت ہے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب ان کے سامنے عاجز اور بے بس ہیں۔ اگر ہم نے حضرت علیؓ کی بیعت کرلی تو وہ ہمارا بھی وہی حشر کریں گے جو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کا کیا ہے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب انکے سامنے بے بس ہونے کی

وجہ سے کچھ نہ کرسکیں گے۔ لہٰذا ہم پر ایسے خلیفہ کی بیعت واجب ہوگی جو انصاف مہیا کرنے پر قادر ہو اور ہمیں انصاف مہیا کرے یا قاتلوں کی پشت پناہی چھوڑ دے اور جب تک قاتلینِ عثمان انکے لشکر میں گھسے ہوئے ہیں ہم پر انکی بیعت واجب نہیں، اگر ہم پر اسکی وجہ سے جنگ مسلط کی گئی تو ہم اپنا دفاع کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

دوسری طرف حضرت علیؓ بن ابی طالب کا موقف یہ تھا کہ نہ تو میں قتل عثمان میں شریک تھا اور نہ اپنی مرضی سے خلیفہ بنا ہوں اور میری بیعت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے پیشرو خلفا کی بیعت کی تھی لہٰذا میری بیعت شرعاً منعقد ہوگئی اور مجھ پر بیعت نہ کرنے والوں سے لڑنا شرعاً فرض ہے اور خونِ عثمان کے متعلق بعد میں دیکھا جائے گا اور آپ اس میں حق بجانب تھے۔ اسی لئے صحابہ میں اکثر آپ کے ساتھ تھے، اگرچہ وہ سمجھتے تھے کہ قصاصِ عثمان کا مطالبہ برحق ہے اور اس کا مطالبہ کرنے والے غالب بھی ہوں گے کیونکہ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ (الاسراء:۳۳)

ہر حال میں دونوں فریق مؤمن تھے اور حق کے نفاذ کے خواہاں تھے۔ البتہ حضرت علیؓ مرتضیٰ اور ان کے ساتھی صحابہؓ حق کے زیادہ قریب تھے اور اس بات کا پتہ جنگ نہروان میں خارجیوں کے ساتھ لڑائی سے چلا، کیونکہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا تھا:

((يقتلهما أولى الطائفتين بالحق)) (صحیح مسلم:۱۰۶۵)

''اس (خارجی) فرقہ سے وہ فریق جنگ کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔''

اور ان سے جنگ حضرت علیؓ نے لڑی تھی۔ لہٰذا حضرت علیؓ کا اپنی بیعت کیلئے لڑنا

حق کے زیادہ قریب تھا اور حضرت معاویہؓ کا اپنے دفاع اور قصاصِ عثمان کے لئے لڑنا حق سے بعید تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ مجتہد مُصیب تھے اور حضرت معاویہؓ مجتہد مخطی تھے۔

ان دونوں کی مثال حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی طرح ہے کہ ان کے پاس ایک مقدمہ آیا اور اس سلسلے میں حضرت داؤدؑ کا فیصلہ صحیح نہ تھا اور حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ صحیح تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے فیصلے کی تحسین کی اور داؤدؑ کی مذمت نہیں کی کیونکہ وہ بھی مجتہد تھے، البتہ ان سے خطا ہوگئی جو مغفور ہے۔ اس طرح حضرت معاویہؓ سے بھی خطا ہوئی جو مغفور ہے۔

اس شذرے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان مؤمنوں میں تقدیر الٰہی کے لکھے ہوئے فیصلہ کے مطابق لڑائی ہوئی لیکن پھر صلح ہوگئی اور دونوں آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ ان کے دورِ جنگ میں ان کے ایک دوسرے کے متعلق جو اقوال اور آثار مروی ہیں، ان میں اکثر آثار اور اقوال مکمل طور پر جھوٹ و افترا ہیں جو مفتون مؤرخین نے بلا سوچے سمجھے اپنی کتابوں میں درج کردیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن میں کمی بیشی کرکے اُنہیں غلط رنگ دیا گیا ہے اور چند آثار صحیح بھی ہیں لیکن ان میں وہ معذور ہیں کیونکہ وہ بشر ہیں اور ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے اور ان کی غلطیاں ان کی پہاڑوں جیسی نیکیوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ اگر بعد والے اُحد پہاڑ برابر سونے کے پہاڑ بھی فی سبیل اللہ خرچ کردیں تو وہ ان کی فی سبیل اللہ خرچ کردہ لپ بھر جو کے اَجر کے برابر نہیں پہنچ سکتے اور پھر بعض نے توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر کفارے بھی ادا کئے تھے مثلاً وحشی بن حرب نے مسیلمہ کذاب کو قتل کردیا تھا اور حر بن یزید نے حضرت حسینؓ کا ساتھ دے کر قتل ہونا قبول کرلیا تھا۔

حضرت علیؓ کا کریمانہ طرزِ عمل

ان جنگوں سے حضرت علی المرتضیٰؓ کے عظیم المرتبت اور مجسمہ خلوص اور وسیع ظرف سردار ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ آپؓ نے اپنے خلاف لڑنے والوں کو کفار، مرتد اور خارج از ایمان قرار نہیں دیا بلکہ اُنہیں اپنا باغی بھائی قرار دیا اور جب ان پر فتح حاصل کرلی تو ان کے مقتولوں کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی اور اتنی فراخ دلی کا ثبوت دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اہل السنہ صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ عظام کی عصمت کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ ان پاکباز ہستیوں سے بتقاضائے بشریت خطا کے صدور کے بھی قائل ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ان کی عظیم الشان نیکیوں کی بدولت ان کی بشری لغزشیں بخش دے گا اور ان کی شکررنجی دور فرما کر انہیں جنت میں داخل فرما دے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ آمِنِيْنَ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ﴾ (الحجر: ۴۵ تا ۴۷)

''بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف وخطر، ان کے دلوں میں جو تھوڑی سی شکررنجیاں ہوں گی وہ بھی ہم نکال دیں گے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔''

اس آیت میں غور فرمائیں کہ وہ صحابہ کرامؓ جن کے متعلق اللہ نے فرمایا: ﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا﴾ ان میں بتقاضائے بشریت بھائیوں کی طرح غلط

فہمیاں پیدا ہونا ممکن تھا اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ اس کے قائل بھی تھے، تبھی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور طلحہؓ اور عثمانؓ ان شاء اللہ اس آیت کے مصداق ہوں گے اور اللہ ہم تینوں بھائیوں کی ہنگامی اور وقتی ناراضگیوں کو دور کردے گا اور ہم بھائیوں کو جنت میں آمنے سامنے بٹھائے گا۔

دیکھئے !اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز ہستیوں کو متقی بھی کہا اور ان میں بتقاضائے بشریت شکر رنجیوں کو بھی ممکن قرار دیا اور اُنہیں بھائی بھائی قرار دیا۔ اور یہ حقیقت حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے بھی تسلیم کی، اور اپنے بھائیوں سے جنگ کرنے پر افسوس کا اظہار بھی فرمایا۔ البتہ خارجیوں سے جنگ کرنے پر خوشی کا اظہار فرمایا اور سجدۂ شکر ادا کیا کیونکہ خارجی گمراہ تھے اور اصحابِ جمل وصفین آپ کے مؤمن بھائی تھے اور جس طرح حضرت امیر المومنینؓ کو اپنے بھائیوں سے ناگزیر جنگ پر افسوس ہوا، اس طرح حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو بھی حضرت امیر المومنینؓ سے لڑائی پر افسوس ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فریقین، سبائی یہودیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ میں سلگنے کے باوجود بالآخر بھائی ہی رہے اور ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ کے امیدوار ہی رہے اور بعد ازاں آپس میں رشتہ داریاں بھی کرتے رہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اُنہیں آپس میں بھائی بھائی ہی سمجھنا چاہئے اور سب کا احترام کرنا چاہئے۔ اس میں اُمت کا بھلا ہی نہیں بلکہ خود اپنا بھی بھلا ہے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل ہونا چاہئے جو اپنے اہل ایمان بھائیوں کے حق میں یوں دعا کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحشر:۱۰)

''اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے ایمان قبول کرنے میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے متعلق حقد اور کینہ پیدا نہ فرما جو ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! تو بلاشبہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

اور اگر کوئی شخص ہمارے سامنے ان پاکباز ہستیوں کی بدگوئی کرے تو ہمیں سیدنا زین العابدینؒ کی طرح وہی کچھ کہنا چاہیے جو اُنہوں نے کوفیوں سے کہا تھا۔

(دیکھئے: کتاب ہذا، ص ۳۸)

محترم برادران! میں نے اپنے طور پر دلائل پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور دلائل و براہین خواہ کتنے ہی روشن اور آشکارا ہوں، پھر بھی ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے کس قدر روشن اور حیران کن معجزات کے ساتھ، اپنے رسولؐ کی تائید کی اور اُنہیں نورِ مبین، یعنی قرآنِ حکیم بھی عطا فرمایا اور ظاہری و باطنی حسن و جمال کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت بھی عطا فرمائی اور اہل مکہ آپ کی صداقت، شرافت، امانت، شجاعت، شرم وحیا اور بذل وعطا کو بھی جانتے تھے لیکن وہ فتح مکہ تک اپنے اپنے کفر پر اڑے رہے کیوں! اس لئے کہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے اور ہمیں ہدایت اسی سے مانگنی چاہیے اور ہمیں اہل بیتِ عظامؓ کے ساتھ ساتھ عشرہ مبشرہؓ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھی محبت کرنی چاہیے، اس میں ہماری کوئی ہتک نہیں ہے بلکہ ہمارا یہ عمل قرآن مجید کی روشن نصوص اور حضرت نبی کریم ﷺ کی احادیث کے عین مطابق ہوگا۔ لہٰذا ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اس کے سامنے تطاول و ترنگ سے باز رہنا چاہیے کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ شرم سار خطا کاروں کو بخش دے اور متکبر عبادت گزاروں کو جہنم میں پھینک دے۔ أعاذنا الله

باب پنجم

صحابہؓ سے محبت جزوِ ایمان ہے!

امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰؓ اور ان کے گھرانے سے محبت رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی اپنے سینے صاف رکھنے چاہئیں جنہیں اللہ نے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور اُنہوں نے اپنی طاقت کی حد تک حق کو سر بلند کرنے اور اُمت کی خیرخواہی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن اس کوشش میں ان سے اجتہادی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں جو اللہ نے بہرحال معاف کردینی ہیں جیسا کہ سیر أعلام النبلاء میں ہے کہ

”رأى أبو ميسرة عمرو بن شرحبيل ذا الكلاع وعمارًا في قباب بيض بفناء الجنة فقال: ألم يقتل بعضكم بعضا؟ قال: بلى، ولٰكن وجدنا الله واسع المغفرة“ (ص۴۲۸)

”حضرت ابومیسرہ عمرو بن شرجیل نے حضرت ذوالکلاع حمیریؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر کو جنت کے صحن میں سفید گنبدوں میں دیکھا تو پوچھا: کیا تم نے ایک دوسرے کو قتل نہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں، لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کو وسیع بخشنے والا پایا ہے۔“

یہ خواب جو ایک مؤمن ہستی نے دیکھا ہے، یہ قرآنِ مجید کی اس آیت کے عین مطابق ہے کہ

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ وَنَزَعْنَا مَا

فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ (الحجر:۴۵تا۴۷)

''بیشک متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (انہیں کہا جائے گا کہ) امن وسلامتی کے ساتھ ان میں داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان کے سینوں سے رنج کھینچ لیا، وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔''

کیونکہ صحابہ کرامؓ بہر حال متقی تھے اور اس میں ان کے مابین ممکنہ باہمی شکر رنجی کا بھی ذکر ہے اور اس بات کا بھی ذکر ہے کہ وہ نکال دی جائے گی اور انہیں بھائی بھائی بنا کر آمنے سامنے تختوں پر بٹھایا جائے گا، کیونکہ وہ ﴿وَالَّذِي جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ کے تحت متقی تھے اور ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں کی طرح مستحکم تھا اور اس قدر مستحکم تھا کہ فتنۂ ارتداد کے تند و تیز جھکڑ اسے ہلا نہ سکے۔

❶ جن صحابہ کرامؓ کے متعلق ہمیں اپنے سینے صاف رکھنے چاہیں، ان میں سے ایک صحابی رسول کا نام عمرو بن العاصؓ ہے جو انتہائی خوبصورت آنکھوں، چھوٹے قد اور بڑے مرتبہ والے گورے رنگ کے انسان تھے۔ آپ بلا کے زیرک اور دانشمند انسان تھے اور حضرت عمر فاروقؓ سے سات سال بڑے تھے۔

⦿ ان کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أسلم الناس وآمن عمرو بن العاص» (مسند احمد۴/۱۵۵)

''لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لایا۔''

⦿ یہ خیبر والے سال ایمان لائے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر، اہل وعیال اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور حضرت رسولِ کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ جب آپؐ نے ان سے بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اُنہوں نے اپنا ہاتھ

پیچھے ہٹا لیا جب آپؐ نے ان سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے درخواست کی کہ میں اس شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں کہ میرے سابقہ گناہ معاف کردیے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اے عمرو تجھے پتہ نہیں کہ اسلام پہلے والے گناہ معاف کردیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے والی غلطیاں مٹا دیتی ہے، چنانچہ انہوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

◉ ایک آدمی نے ان سے قبولِ اسلام میں تاخیر کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا کہ ہم ایسی قوم کے ساتھ تھے جسے ہم پر برتری حاصل تھی اور ان کی عقلوں پر دیوانگی اور خرابی سوار تھی، چنانچہ جب حضرت رسولِ کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اس نے آپ کو پیغمبر تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور ہم نے ان کی پناہ لی اور جب وہ قوم انجام کو پہنچ گئی اور معاملہ ہمارے ہاتھ میں آیا اور ہم نے غوروفکر سے کام لیا تو ہمیں حق واضح نظر آ گیا اور میرے دل میں اسلام جاگزیں ہوگیا، چنانچہ جب قریش مکہ نے مجھ میں اپنی حمایت میں وہ سرگرمی نہ دیکھی جو کبھی میں دکھایا کرتا تھا تو اُنہوں نے اپنے ایک نوجوان کو میری طرف بھیجا اور اس نے مجھ سے مناظرہ کیا۔ چنانچہ میں نے اُس سے کہا: میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو تیرا اور تیرے سے پہلوں اور بعد والوں کا ربّ ہے، کیا ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں یا روم اور فارس والے؟

اس نے کہا: ہم

میں نے کہا: کیا ہم زیادہ خوش حال ہیں یا وہ؟

اس نے کہا: وہ

تو میں نے کہا: ہمیں دنیا میں ان پر اپنی فضیلت سے کیا حاصل ہوا، کیونکہ اس دنیا میں تو وہ ہر اعتبار سے ہم سے مستحکم ہیں۔ سو میرے دل یہ بات آ گئی کہ جو بات محمدؐ کہتا

ہے کہ موت کے بعد اُٹھنا ہے تا کہ نیک کو اس کی نیکی اور بُرے کو اس کی بُرائی کا بدلہ ملے، یہ حق ہے اور باطل کی دلدل میں دھنستے جانے میں کوئی خیر نہیں ہے۔ (چنانچہ میں آپ پر ایمان لے آیا)

⦿ یہ صحابی حضرت رسول کریم ﷺ سے بے حد محبت کرتے تھے لیکن حیا کی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ کرتے تھے۔ آپؐ نے اُنہیں ان کی شجاعت اور دانش مندی کی وجہ سے غزوہ ذات السلاسل میں اسلامی افواج کا امیر مقرر کیا اور حضرت ابوبکر عمر اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا۔ ایک مرتبہ اہل مدینہ بڑے خوفزدہ ہو گئے تو آپؓ حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ کے ہمراہ مسلح ہو کر مسجد میں آ گئے تو حضرت رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! تمہارا اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیوں نہ ہوا؟ اور تم نے ان دو مؤمن آدمیوں کی طرح کیوں نہ کیا؟ (مسند احمد: ۲۰۳/۴ بسند صحیح)

⦿ حضرت رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«عمرو بن العاص من صالحي قريش، ونعم أهل البيت ابو عبدالله (عمرو) وأم عبدالله (ريطة) وعبدالله» (مسند احمد: ۱۶۱/۱)

"عمرو بن العاص قریش کے صالحین میں سے ہیں اور ابوعبداللہ (عمرو) اور امّ عبداللہ (ریطہ بنت منبہ بن الحجاج السہمی) اور عبداللہ کا گھرانہ کتنا اچھا گھرانہ ہے۔"

⦿ حضرت علقمہ بن رمثہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے عمرو بن العاصؓ کو بحرین کی طرف بھیجا، پھر وہ کسی فوجی مہم پر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ تھے چنانچہ حضرت رسولِ کریم ﷺ کو اُونگھ آئی اور پھر آپ جاگ پڑے اور فرمایا: «رحم

اللہ عمروا» کہ اللہ تعالیٰ عمرو پر رحم فرمائے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یوں ہی فرمایا اور ہم نے ہر مرتبہ عمرو نام والے صحابہ کو یاد کیا (لیکن پتہ نہ چلا کہ آپ کون سے عمرو کا نام لے رہے ہیں) چنانچہ ہم نے سوال کیا کہ کون سا عمرو اے اللہ کے رسول ﷺ؟

آپ نے فرمایا: عمرو بن العاصؓ

⦿ حضرت رسول کریم ﷺ نے انہیں عمان کا گورنر مقرر کیا۔ آپؓ نے جہاد فلسطین اور جہاد قنسرین میں حصہ لیا اور مصر کو فتح کیا اور وہاں کے گورنر مقرر ہوئے تا آنکہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اُنہیں معزول کر کے عبداللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا۔ بعد ازاں آپ دوبارہ گورنر مصر بنا دیے گئے اور ۴۳ھ تک گورنری کے عہدے پر ہی فوت ہوئے۔ آپ نے ۹۰ سال عمر پائی اور ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ جب میرے باپ عمروؓ بن العاص پر نزع کی کیفیت، طاری ہوئی تو انہوں نے کہا اے اللہ تو نے کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا تھا اور کچھ کاموں سے روکا تھا اور ہم ایسے بہت سے کام چھوڑ بیٹھے جن کا تو نے حکم دیا تھا اور ایسے بہت سے کام کر بیٹھے جن سے تو نے روکا تھا۔ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں پھر آپ نے اپنے انگوٹھے پر انگلی رکھ کر لا الہ إلا اللہ پڑھنا شروع کیا اور مسلسل پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ فوت ہو گئے۔ (تاریخ دمشق: ۱۳/۲۶۸)

ان کی وفات کا قصہ (صحیح مسلم، رقم: ۱۲۱) میں موجود ہے۔ اس میں آپؓ نے اپنے قبولِ اسلام اور حضرت رسول کریم ﷺ سے محبت اور ان سے حیا کا وصف بیان کیا ہے۔

میں نے ان کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ بہت سے اُردو خواں حضرات، واقعہ تحکیم کی غلط رپورٹنگ کی وجہ سے انہیں ناحق بدنام کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کے اس فرمان کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا تسبوا أصحابي، لا تسبوا أصحابي فو الذي نفسي بيده، لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم و لا نصيفه»

''میرے صحابہ کی کردار کشی نہ کرو، میرے صحابہؓ کی کردار کشی نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی آدمی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کردے تو وہ ان کے دو لپ بلکہ ایک لپ جو برابر ثواب حاصل نہیں کرسکتا۔'' (صحیح مسلم:۲۵۴۰)

❷ دوسرے صحابی، جنہیں ناحق بدنام کیا جاتا ہے، وہ حضرت رسول کریم ﷺ کے برادرِ نسبتی حضرت معاویہ بن ابوسفیان قرشی اُموی ہیں۔

◉ ان کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اللهم اجعله هاديًا مهديًّا واهد به» (جامع ترمذی:۳۸۴۲)

''اے اللہ! اسے ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔''

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نوویؒ جیسے محدثین اور امام ابن عساکر دمشقیؒ اور قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ جیسے بلند پایہ مؤرخین کی تحقیق کے مطابق آپؓ عمرة القضاء سے پہلے اسلام لائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنا گھر بار اور مال و دولت اور مال دار والدین کو چھوڑ کر اس حال میں مدینہ پہنچے کہ اُنہیں پاؤں میں پہننے کے لئے جوتا

بھی میسر نہ تھا۔ منتقیٰ من منہاج الاعتدال میں متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے کہ ذیقعد ۸ ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر آپ کو حضرت رسول کریم ﷺ کے موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے اُنہیں کاتبین وحی الٰہی میں شامل فرمایا اور یہ آپ کو اکثر وبیشتر وضو کروایا کرتے تھے اور آپؐ نے ان کو اپنی قمیص پہنائی تھی جو اُنہوں نے مرض الموت تک اپنے پاس چھپا کر رکھی۔

حضرت رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب مکہ اور مدینہ اور ان کے آس پاس کی چند بستیوں کے سوا باقی اہل عرب مرتد ہوگئے تو آپؓ مؤمنین کے اس قلیل گروہ میں شامل تھے جس نے مرتدین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا، تاآنکہ مدعیانِ نبوت کے عساکرِ باطلہ کی قوت پارہ پارہ ہوگئی اور مسیلمہ کذاب قتل اور اس کی چالیس ہزار سپاہ کی کمر ٹوٹ گئی۔ بلکہ آپ ان صحابہؓ میں شامل تھے جنہوں نے مسیلمہ کذاب کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُنہیں ان کے بڑے بھائی یزید الخیر کے ہمراہ جہادِ شام پر بھیج دیا، چنانچہ وہاں آپ اپنے بھائی کی کمان میں مختلف محاذوں پر جہاد کرتے رہے۔ اسی دوران سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوگئی اور عمر فاروقؓ خلیفۃ المسلمین بن گئے، اُنہوں نے حضرت عمیرؓ بن سعد کو معزول کر کے انہیں حمص کا عامل (کمشنر) مقرر کر دیا، حضرت عمیرؓ بڑے عابد وزاہد صحابی تھے اور لوگوں میں بے حد مقبول تھے۔

◉ جب لوگوں نے ان کی معزولی اور حضرت معاویہؓ کی تقرری کا حکم سنا تو وہ کہنے لگے: عمیر بن سعد کو معزول کر کے معاویہ کو عامل (کمشنر) مقرر کر دیا گیا ہے تو یہ سن کر معزول عامل (کمشنر) نے فرمایا: ”لا تذکروا معاویة إلا بخیر فإني سمعت

رسول الله يقول «اللهم اهد به»“ (جامع ترمذی:۳۸۴۳)

”معاویہ کو اچھے لفظوں کے علاوہ کسی لفظ سے یاد نہ کرنا، کیونکہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔“

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بذاتِ خود یہ حدیث بیان کی تھی۔ اس کے بعد جب طاعونِ عمواس میں حضرت ابوعبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ اور گورنر شام حضرت یزیدؓ الخیر بن ابی سفیان اُموی شہید ہوگئے تو حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ نے اُنہیں شام کا گورنر مقرر کردیا۔ اسی دور میں آپؓ نے یونانی جزیرے قیساریہ پر فیصلہ کن حملہ کیا اور نوے ہزار رومیوں کو قتل کر کے اسے فتح کرلیا۔ چنانچہ یہ ان کے عہد حکومت میں بارہ سال تک اتنی خوش اُسلوبی سے حکومت کرتے رہے کہ ان کی رعایا ان پر فدا ہونے لگی۔

◉ بعدازاں حضرت عثمانؓ نے بھی اُنہیں وہاں برقرار رکھا اور اس دور میں اُنہوں نے قسطنطنیہ پر بحری بیڑوں پر سوار ہوکر لشکرکشی کی اور حضرت رسول کریم ﷺ کے اس رؤیائے صادقہ کا مصداق قرار پائے جو آپ کو حضرت اُمّ حرام بنت ملحان کے گھر دکھایا گیا تھا کہ آپ کے اُمتی سمندر کی پشت پر اس انداز سے سوار ہوکر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے جارہے ہیں، جیسے وہ تختوں پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں اور اللہ نے ان کو بخش دیا ہے، ان میں اُمّ حرام بنت ملحان بھی تھیں جو قبرس میں گھوڑے سے گر کر شہید ہوگئی تھیں اور ان کی قبر آج بھی قبرس میں موجود ہے۔

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ طبعًا حضرت عثمان بن عفان کی طرح کشادہ دل تھے اور عین اس دور میں جب ان کا امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ سے خونِ عثمان پر

تنازعہ زوروں پر تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ اور بھتیجے سیدنا عبد اللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب نے آپ سے کچھ رقم طلب کی تو آپ نے ایک لاکھ درہم بھیج دیئے، جب سیدنا علیؓ بن ابی طالب کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے ان دونوں کو سرزنش کی اور فرمایا: تمھیں شرم نہیں آتی کہ صبح وشام تو ہم ان پر طعن کرتے ہیں اور تم ان سے رقم طلب کرتے ہو۔ انہوں نے جواباً فرمایا آپ تو ہمیں بیت المال سے کچھ دیتے نہیں اور وہ ہمیں کھلے دل سے مطلوبہ رقم دے دیتے ہیں۔

(تاریخ اسلام 'عہد امیر معاویہؓ' از امام ذہبی، تاریخ دمشق ج ۱۶/۳۷۰)

◉ اُنھوں نے اپنے دورِ حکومت میں جس قدر عدل وانصاف کیا، اس کی شہادت مبشر بالجنۃ صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح قادسیہ کی زبانی سنئے۔ امام ابن کثیر دمشقی اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ (۸/۱۳۳) میں امامِ مصر اللیث بن سعد اور بکیر بن عبداللہ مدنی کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بشر بن سعید مدنی نے فاتح ایران، مبشر بالجنۃ مستجاب الدعوات صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ فرماتے سنا کہ "ما رأيت بعد عثمان أقضى بحق من صاحب هذا الباب ، يعني معاوية"

"میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد اس دروازے والے (معاویہؓ) سے زیادہ کسی کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نہ دیکھا۔"

◉ ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن مہران (اعمش) کے پاس حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عدل وانصاف کا ذکر ہوا تو اُنھوں نے فرمایا: اگر تم حضرت امیر معاویہؓ کا دور پا لیتے تو کیا یاد کرتے؟ انہوں نے کہا: کیا آپ ان کے حلم کے بارے میں فرما رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم! بلکہ ان کے عدل وانصاف کے بارے میں!

بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد امامِ مفسرین مجاہد بن جبیر اور حضرت قتادہ سدوسی اور ابو اسحاق سبیعی جیسے خیارِ اُمت بیان کرتے ہیں کہ اگر تم معاویہ بن ابی سفیان کا دور پا لیتے تو تم بول اٹھتے کہ یہ مہدی ہے۔ (المنتقٰی للذھبی)

اور یقیناً ایسا ہی ہونا تھا کیونکہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے ان کے متعلق ان لفظوں سے دعا فرمائی تھی: «اللهم اجعله هاديًا مهديًّا واهدِ به» (ترمذی:۳۸۴۲)

⦿ تمام مؤرخین اور محدثین، مخالف وموافق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کی رعیت ان سے بے حد محبت کرتی تھی اور آپ بہ مصداقِ حدیث نبوی: «خِيَارُكُمْ أَئِمَّتُكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتَصِلُوْنَ عَلَيْهِمْ وَيَصِلُوْنَ عَلَيْكُمْ» (مستخرج أبي عوانة :۱۷۹/۱۴) اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے اور اس کے لئے دعا کرتے تھے اور وہ آپ کے لئے دعا کرتی تھی۔

حضرت معاویہؓ کی رسولِ کریم ﷺ سے محبت

امام ذہبیؒ اپنی تاریخ اسلام میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ اپنے دورِ خلافت میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور پھر مدینة الرسول (زادها الله شرفا) میں حاضر ہوئے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھی اور حضرت رسول کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجا۔ بعد ازاں آپ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے حضرت رسول کریم ﷺ کے سر مبارک کے بال مبارک اور آپ کے کپڑے (قمیص اور چادر) منگوائے اور بالوں کو پانی میں اچھی طرح بھگویا اور پھر اس پانی کو نوش جان کیا

اور باقی ماندہ پانی اپنے سر اور چہرے پر مل لیا اور آپ کے جبہ مبارک کو زیب تن کیا اور پھر واپس دے دیا۔ (تاریخ اسلام، عہد معاویہ ص ٣١٢)

آپ کا یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو حضرت رسول کریم ﷺ سے شدید محبت تھی۔

قاضی عیاضؒ بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ہاں حضرت کابس بن ربیعہ کا تذکرہ ہوا اور حاضرین نے امیر المومنین کو یہ بات خصوصیت سے بتائی کہ ان کا چہرہ دیکھ کر حضرت رسول کریم ﷺ کا چہرہ مبارک یاد آ جاتا ہے ،کیونکہ ان کے چہرے کی حضرت رسول کریم ﷺ کے چہرہ مبارک سے قدرے مشابہت تھی تو آپ نے ان کی زیارت کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا جب وہ آپ کے محل کے دروازے سے اندر تشریف لائے تو آپ نے اپنے پلنگ سے نیچے اتر کر ان کا استقبال کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور انہیں مرغاب کی جاگیر الاٹ کر دی۔ (الشفا بتعریف حقوق المصطفی: جلد٢ ص ٦١٠)

◉ حضرت میمون بن مہران اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ قرشی اُموی نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا:

كُنْتُ أُوَضِّئُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَوْمًا فَنَزَعَ قَمِيْصَهٗ وَكَسَانِيْهِ فَرَقَعْتُهٗ وَخَبَأْتُ قُلَامَةَ اَظْفَارِهٖ فِیْ قَارُوْرَةٍ فَاِذَا مِتُّ فَاجْعَلُوْا الْقَمِيْصَ عَلٰى جِلْدِیْ وَاسْحَقُوْا تِلْكَ الْقُلَامَةَ وَاجْعَلُوْهَا فِیْ عَيْنِیْ فَعَسٰى أَنْ يَرْحَمَنِیْ بِبَرَكَتِهَا (تاریخ الاسلام ذہبی، ج٤ ص ٣١٦)

''ایک دن میں حضرت رسول اللہ ﷺ کو وضو کروا رہا تھا کہ آپ نے اپنی قمیص

مبارک اُتاری اور مجھے پہنا دی، پس میں نے اسے مرمت کرلیا اور آپ کے ناخنوں کے تراشوں کو شیشی میں چھپا کر رکھ لیا، چنانچہ جب میں فوت ہو جاؤں تو (حضرت رسول اللہ ﷺ کی) قمیص کو میرے بدن پر بچھا دینا اور (آپؐ کے ناخنوں کے) تراشوں کو پیس کر میری آنکھوں میں ڈال دینا، اُمید ہے کہ اللہ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔''

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم نہ تو شامیوں کی طرح ان کی حمایت میں سیدنا علی مرتضیٰؓ کے متعلق سوءِ ظن رکھیں اور نہ ہی کوفیوں کی طرح حضرت علی مرتضیٰؓ کی حمایت میں ان سے بغض رکھیں کیونکہ دونوں حضرت رسولِ کریم ﷺ کے صحابی ہیں۔

اگرچہ حضرت علیؓ حضرت امیر معاویہؓ سے بدرجہا افضل ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ کو اس کا اعتراف بھی تھا بلکہ آپ تو حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سہمی قرشی کو بھی اپنے آپ سے افضل سمجھتے تھے لیکن چونکہ آپ نے ہجرت کی اور اسلام قبول کیا اور مرتدین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا بلکہ ساری زندگی جہاد میں مصروف رہے اور عدل وانصاف سے حکمرانی کی اور ایمان پر فوت ہوئے، اس لئے ہمیں ان کے متعلق بھی لب کشائی سے بچنا چاہیے بقول امام ابوزرعہ رازیؒ

''إن رب معاوية رحيم وخصم معاوية خصم كريم''

'' حضرت معاویہؓ کا ربّ بڑا مہربان ہے اور ان کا مدمقابل (سیدنا علی المرتضیٰؓ) بڑا وسیع ظرف اور شریف طبع ہے۔'' (البدایہ والنہایہ:۸/۱۳۹)

اس شریف طبع اور وسیع ظرف امیرالمؤمنین نے جنگِ جمل میں مارے جانے والے مخالفوں اور موافقوں کی نمازِ جنازہ بذاتِ خود پڑھائی تھی اور صدقِ دل سے ان کی مغفرت کی دعا فرمائی تھی اور اگر یہ جنگِ صفین میں کامیاب ہو جاتے تو اُنہوں نے

حسبِ سابق وسیع ظرف ہونے کا ثبوت دینا تھا کیونکہ آپ جملہ مؤمنین کرام اور اپنے قرابت دار مؤمنوں کے حق میں بڑے نرم دل انسان تھے۔

❸ تیسرا مؤمن صحابی جس کے متعلق بدگمانی پھیلائی جاتی ہے، وہ ہے ابوسفیانؓ۔

حضرت ابوسفیان (صخر) بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبدِ مناف، حضرت رسول کریم ﷺ کے سسر اور جلیل القدر صحابیؓ تھے۔ قبولِ اسلام سے قبل یہ سردارانِ مکہ میں سے ایک سردار تھے۔ جب رسولِ کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو ان کی طرف سے اس کے خلاف اتنا ردّ عمل سامنے نہیں آیا جتنا ابولہب، ابوجہل وغیرہ سردارانِ مکہ کی طرف سے آیا، بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ طبقاتِ ابن سعد کے حوالے سے الإصابة میں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت رسولِ کریم ﷺ کو ایذا دی جاتی تو آپؐ ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجاتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ نے اس حسن سلوک کے بدلے ابوسفیانؓ کے گھر کو دارالامن قرار دیا تھا۔ (ج۲ص۱۷۹)

اور یہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ﴿قُلْ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ کے مخاطبین میں ایک تھے۔ چنانچہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے ان کو حالت کفر کے دور میں عمرو بن اُمیہ بن خویلد کے ہاتھ عَجوہ کھجوروں کا ہدیہ بھیجا جو اُنہوں نے قبول کرلیا اور اس کے بدلے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف چمڑے کا تحفہ ارسال کیا جو آپؐ نے قبول فرمایا اور جب ان کی مؤمنہ بیٹی اُمّ حبیبہ سے حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری کی وساطت سے نکاح کرلیا تو اُنہوں نے نے اپنا ردِعمل ان الفاظ میں ظاہر کیا: ذلك الفحل لا يُقْدَعُ اَنْفُهٗ

''وہ ایسے شریف النسل فرد ہیں جنہیں کسی رشتے سے جواب نہیں دیا جاسکتا۔''

جب جنگِ بدر میں سردارانِ مکہ مارے گئے تو انہوں نے کفارِ مکہ کی قیادت کی اور حضرت رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ جنگِ اُحد لڑی اور فتح مکہ تک حالتِ کفر میں ہی رہے جب رسولِ کریم ﷺ نے مکہ پر فوج کشی کی تو بنو ہاشم کے بزرگ حضرت عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنے اس قدیم دوست کو اپنے خچر پر بٹھا کر حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا اور اُنہوں نے وہاں اسلام قبول کرلیا، لیکن ابھی تک ایمان دل میں داخل نہ ہوا تھا۔ اس لئے جب اُنہوں نے دیکھا کہ مر الظهران میں لوگ آپؐ پر فدا ہورہے ہیں اور آپؐ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو ان کے دل میں حسد داخل ہوگیا اور انہوں نے دل میں سوچا کہ کاش میں اس شخص کے مقابلے کے لئے لشکر اکٹھا کرلاتا تو فوراً حضرت رسول کریم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

''تب اللہ تجھے رسوا کردیتا!''

تو اُنہوں نے کہا: أستغفر اللہ وأتوب إليه اور مزید یہ کہا کہ مجھے اسی گھڑی اس بات کا یقین آیا ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ وسوسہ ابھی تک میرے دل میں ہی تھا اور زبان پر نہ آیا تھا (کہ اللہ نے آپؐ کو اس سے مطلع کردیا)۔ اس کے بعد اُنہوں نے حضرت رسولِ کریم ﷺ کے سامنے تین مطالبات پیش کردیے: ایک یہ کہ میرے بیٹے معاویہؓ کو اپنا سیکرٹری بنا لیجئے اور دوسرا یہ کہ میرے گھر کو 'دارالامن' قرار دیجئے اور تیسرا یہ کہ میری بیٹی عزة بنت ابی سفیان سے نکاح کرلیجئے اور اس سلسلے میں اپنی بیٹی اُمّ حبیبہؓ سے بھی تعاون طلب کیا۔ آپؐ نے دو مطالبات تو منظور فرمائے اور تیسرے کے متعلق فرمایا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں کیونکہ اس نکاح سے دونوں بہنوں نے ایک شوہر کے نکاح میں آجانا تھا اور یہ اسلام میں جائز نہیں۔ اس کے بعد انہوں

نے جنگِ حنین میں حصہ لیا اور جب حضرت رسولِ کریم ﷺ نے اُنہیں مالِ غنیمت سے بہت سا مال دیا تو اُنہوں نے کہا:

وَاللهِ إِنَّكَ لَكَرِيْمٌ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ وَاللهِ لَقَدْ حَارَبْتُكَ فَلَنِعْمَ الْمُحَارِبُ كُنْتَ وَلَقَدْ سَالَمْتُكَ فَلَنِعْمَ الْمُسَالِمُ اَنْتَ جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا

(أسد الغابة:۱۴/۲)

اس کے بعد اُنہوں نے جہادِ طائف میں حصہ لیا اور اس میں ان کی ایک آنکھ شہید ہوگئی تو حضرت رسولِ کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کردیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کی آنکھ صحیح سلامت کردے گا اور اگر صبر کریں تو آپ کے لئے جنت ہے تو اُنہوں نے شدید تکلیف کے باوجود کہا کہ میں جنت کو پسند کرتا ہوں۔

بعدازاں حضرت رسول کریم ﷺ نے اُنہیں نجران کا گورنر مقرر کردیا اور یہ آپ کی وفات تک گورنری کے منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنے بیٹوں کے ہمراہ مرتدین عرب کے خلاف کامیاب جہاد میں حصہ لیا، چنانچہ تفسیر (فتح القدیر: ۲۰۵/۷) میں ابوبکر بن مردویہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ دوسیؓ سے مروی ہے کہ

أوّل من قاتل أهل الردة على إقامة دين الله أبوسفيان بن حرب

''اللہ کے دین کی اقامت کی خاطر مرتدین کے خلاف لڑائی کرنے میں ابوسفیان بن حرب نے پہل کی۔'' (بلکہ ایک مرتد کو بروقت قتل بھی کردیا تھا)

اور جب جنگِ یرموک کا میدان سجا تو انہوں نے اپنی بیوی ہندہ اور بیٹی جویریہ سمیت اس میں حصہ لیا۔ حضرت سعید مخزومی قرشی کے والد حضرت مسیّبؓ (جنہیں بیعتِ رضوان کا شرف بھی حاصل ہوا تھا) فرماتے ہیں کہ جب گھمسان کا رن پڑا اور

جنگ کی چکی گھومنے لگی تو ایک آواز کے سوا باقی سب آوازیں خاموش ہوگئیں اور وہ آواز یہ تھی: یا نصر اللہ اقترب ''اے اللہ کی مدد، قریب آ!!''

تو میں نے آواز والے شخص کی طرف دیکھا تو وہ ابوسفیانؓ تھے جو اپنے بیٹے یزید کے جھنڈے تلے جنگ لڑ رہے تھے۔ لہٰذا فتنۂ ارتداد میں ایمان باللہ والرسول پر ثابت قدم رہنا اور پھر بڑھاپے کی حالت میں بھی یرموک کے محاذ پر اپنے اہل خانہ سمیت جہاد میں حصہ لینا اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ اُنھوں نے صدقِ دل سے ایمان قبول کیا تھا اور یہ ساری زندگی اس پر قائم رہے اور اسی پر ہی فوت ہوئے تھے۔ اس لئے ہمیں ان کے متعلق بھی لب کشائی سے بچنا چاہئے کیونکہ ان کے حق میں زبان درازی کرنا حضرت رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔

❹ چوتھے نمبر پر وہ عورت جو ایمان قبول کرنے کے باوجود تنقید کا نشانہ بنائی جاتی ہے، وہ ہے: ہندہ بنت عتبہ قرشیہ زوجہ حضرت ابوسفیان اُموی۔ اس کا باپ اور چچا اور بھائی اور اس کا سگا بیٹا حنظلہ جنگِ بدر میں مارے گئے۔ مؤرخین نے اپنے ذرائع کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس نے ان کے انتقام کی آگ میں جل کر عم رسول محترم حضرت حمزہؓ کا بعد از شہادت کلیجہ چبا ڈالا تھا۔ بعد ازاں حضرت رسولِ کریم ﷺ نے اس کی مؤمنہ بیٹی اُمّ حبیبہؓ سے شادی کرلی تھی۔ فتح مکہ کے دن یہ بڑی جھلائی تھی اور اپنے خاوند ابوسفیان کے قبولِ اسلام پر ناراض ہوئی لیکن بعد میں اس نے رات کو صحابہ کرامؓ کو مسجدِ حرام میں عبادت کرتے دیکھا تو ان کی ربّ کے سامنے گریہ زاری اور خشوع وخضوع سے بے حد متاثر ہوئی اور کہنے لگی: آج رات میں نے صحیح معنوں میں اللہ کی عبادت ہوتے دیکھی ہے۔ چنانچہ اس کے دل سے کفر کے تالے ٹوٹ گئے اور یہ دیگر عورتوں کے ساتھ أبطح کے مقام پر حضرت رسولِ کریم ﷺ کے ہاتھ پر قبول

اسلام کے لئے حاضر ہوئی اور یہ چہرے پر نقاب اوڑھے ہوئے تھی، جب حضرت رسول کریمؐ نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت فرمایا:

«أبايعكن علىٰ أن لا تشركن بالله شيئا» (مسند احمد:۲۶۵۲۲)

''میں تم سے اس بات کی بیعت لے رہا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی۔''

تو تمام عورتوں نے جن میں ہندہ بھی شامل تھی، یہ کلمات دہرائے اور جب آپ نے فرمایا: ولا تسرقن'' اور تم چوری نہ کرو گی۔'' تو ہندہ بول پڑی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، اگر میں اس کے مال سے اس کی بے خبری میں کچھ لے لوں؟ تو آپ نے فرمایا: تو ہندہ ہے؟ تو یہ کپکپاتی ہوئی آواز سے کہنے لگی:

"يا رسول الله الحمد لله الذي أظهر الدين الذي اختاره لنفسه لتنفعني رحمك يا محمد، إني امراة مؤمنة بالله مصدقة برسوله"

(الطبقات الكبرى لابن سعد:۲۳۶/۸)

''اے اللہ کے رسول، سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اس دین کو غالب کیا جسے اس نے اپنے لئے پسند فرمایا۔ اے محمدؐ مجھے آپ سے قرابت داری کا فائدہ ملنا چاہیئے، میں اللہ پر ایمان لانے اور اسکے رسولؐ کی تصدیق کرنے والی خاتون ہوں۔''

اس کے بعد اس نے اپنا چہرہ کھولا اور کہا میں ہندہ بنت عتبہ ہوں آپؐ نے فرمایا:

«مرحبا بك» ''خوش آمدید''

اس نے کہا: اللہ کی قسم! آج سے قبل مجھے روئے زمین پر قائم تمام خیموں سے بڑھ کر آپ کے خیمے کی بے توقیری محبوب تھی اور آج میرا یہ حال ہے کہ مجھے آپ کے خیمے کی آبرو، روے زمین کے خیموں کی آبرو سے زیادہ محبوب ہے!!

آپؐ نے فرمایا: ابھی اور بھی زیادہ ہوگی۔ اس کے بعد اس نے گھر آ کر کلہاڑا لیا اور اپنے گھر میں پڑے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور کہا:

''ہم تیرے متعلق دھوکے میں تھے۔''

ہندہ فتنۂ ارتداد کے موقعہ پر اپنے شوہر ابوسفیان اور بیٹوں کے ساتھ دیگر قریشی مومنین کی طرح اسلام پر ثابت قدم رہیں تا آنکہ اللہ نے اسلام کے قدم جما دیے اور پھر جہادِ یرموک میں شامل ہوئیں اور مسلمانوں کو غیرت اور حمیت دلا کر میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتی رہیں۔

لہٰذا جملہ برادرانِ اسلام کو تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق اپنے سینے صاف رکھنے چاہیں اور ان کے ایمان اور نفاق کے متعلق فیصلہ دینے سے قبل اپنے ایمان اور عمل کا محاسبہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کے ایمان کو اللہ نے قبول کر لیا تھا اور رحمۃ للعالمین نے ان کے اسلام کو قبول کر کے ان کو معاف کر دیا تھا بلکہ ان کے حق میں دعا کر کے ان کو جنت کی بشارت بھی دے دی تھی۔ جب کہ ہمارے ایمان کے متعلق نہ تو کوئی شہادت ہے اور نہ کسی طرح کی بشارت تو ہمیں کس طرح زیب دیتا ہے کہ ہم ان کے نقائص بیان کریں۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے:۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی بُرائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا !!

اے اللہ! ہمیں حق اور سچ پرکھنے کی بصیرت عطا فرما اور ہمارے دلوں کو پاک طینت اصحابِ رسولؐ کی نفرت سے صاف کر دے اور ان میں جاں نثارانِ رسول کی محبت بھر دے۔ اللہ ہمیں پیارے رسولؐ کے صحابہ اور آپ کے اہل بیت کی محبت نصیب فرما! آمین وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی وآلہ وصحبہ وسلم